رمضان کریم
رحمتوں کے سائے میں
ابو یحییٰ

رحمتوں کے سائے میں

روزے کی حقیقی روح پیدا کرنے والے مضامین

روزے کی عبادت کو زندہ عبادت بنا دینے والی تحریریں

ابو یحییٰ

انذار پبلیشرز

A Non-Profit Organization

نام کتاب : رحمتوں کے سائے میں

ISBNنمبر :

مصنف : ابو یحییٰ

ناشر : انذار پبلیشرز:+92-332-3051201

ویب سائٹ : www.inzaar.org

ای میل : abuyahya267@gmail.com

ٹائٹل :

قیمت : 100روپے

ملنے کا پتہ : پوری دنیا میں کسی بھی جگہ گھر بیٹھے یہ کتاب حاصل کرنے کے لیے رابطہ کیجیے۔+92-332-3051201

مزید مقامات کے لیے دیکھیے ہماری ویب سائٹ

www.inzaar.org

فہرست

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

دیباچہ

دور جدید میں مسلمانوں کے ہاں کم و بیش ہر عبادت اپنی ظاہری شکل میں زندہ ہے۔ لاکھوں کروڑوں لوگ ان عبادات کو ادا کرتے ہیں۔ لیکن اکثر یہ دیکھا گیا ہے کہ افراد کی ذاتی زندگی ہو یا پورے معاشرے کی مجموعی شکل، وہ تبدیلی نظر نہیں آتی جو ان عبادات سے دراصل مطلوب ہے۔ حتیٰ کہ روزے جیسی عظیم عبادت جس کے لیے لوگ سخت گرم دنوں میں کھانا پینا تک چھوڑ دیتے ہیں، ہماری زندگی نہیں بدل پاتی۔ حالانکہ روزہ بندگی و اطاعت کی "ماں" ہے جس کے بطن سے تقویٰ جیسی صفت پھوٹنی چاہیے جو ہر نیکی کی جڑ ہے۔ مگر ہمارا روزہ، ہماری دیگر عبادات کی طرح بنجر رہ جاتا ہے۔

اس بنجر پن کا علاج یہ ہے کہ روزہ کے فلسفے، اس کی روح اور اس کی حقیقت کو ہر روزہ دار کو اپنے ذہن میں زندہ رکھنا چاہیے۔ اس احساس کے پیش نظر اس فقیر نے اپنے ان مضامین کو اس مختصر کتابچے میں جمع کر دیا ہے جو روزہ کی حقیقت اور روح کو قارئین کے سامنے مختلف طریقے سے پیش کریں گے ۔ روزہ کے ساتھ وہ دیگر عبادات بھی اسی پس منظر میں زیر بحث آگئی ہیں جن کا تعلق رمضان سے ہے جیسے اعتکاف، زکوٰۃ، شب قدر، قرآن مجید اور عید وغیرہ۔

آخر میں پروفیسر عقیل صاحب کے دو عمدہ تربیتی مضامین رمضان گزارنے کا ایک بہت مفید لائحہ عمل قاری کے سامنے رکھ دیں گے۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ ذوق عبادت کے ساتھ وہ ہمیں روح عبادت سے بھی فیض یاب فرمائے۔ آمین۔

ابو یحییٰ

روزے کی بادشاہی

روزہ کیا ہے، اسے ایک جملے میں بیان کیا جائے تو یہ اپنے اوپر بادشاہی کرنے کا نام ہے۔ بلاشبہ اپنے اوپر بادشاہی کرنے سے زیادہ بڑی نعمت اس دنیا میں کوئی نہیں۔

انسان اور جانور میں ایک بنیادی فرق یہ ہے کہ جانور جبلتوں میں جیتے ہیں۔ انھیں بھوک لگتی ہے تو وہ خوراک کی تلاش میں نکل کھڑے ہوتے ہیں۔ پیاس لگتی ہے تو پانی کے تالاب کا رخ کرتے ہیں۔ یہی معاملہ دیگر جبلتوں کا ہے۔ ان کی جبلتیں ان پر حکمران ہوتی ہیں۔ ان کے لیے وہ لڑتے ہیں، مرتے ہیں اور دوسرے جانوروں کو مار ڈالتے ہیں۔

یہی معاملہ انسان کا ہے جس کو اس دنیا میں ایک حیوانی قالب دے کر بھیجا گیا ہے۔ اس حیوانی قالب کی بنا پر انسان بھی اپنی جبلتوں کے ماتحت ہوتے ہیں۔ لیکن ساتھ ہی اللہ کی طرف سے انسانوں کو خیر و شر کا شعور اور مذہب کی رہنمائی ملی ہوتی ہے۔ یوں انسان اپنی جبلت سے لڑ کر اسے کچھ حدود و قیود میں رکھنے کی کوشش کرتا ہے لیکن اسے اکثر اس میں ناکامی کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ انسان حلال و حرام سے بے پروا ہو جاتا ہے۔ دوسروں کا حق مارتا اور ان پر ظلم کرتا ہے۔ یوں انسان پر حیوان غالب آ جاتا ہے۔

روزہ اسی حیوانیت کو نکیل ڈالنے کا نام ہے۔ اس کا ون پوائنٹ ایجنڈا یہی ہے کہ کھانا، پانی اور بیوی تینوں سے رک جاؤ۔ یہ تینوں کام کسی پہلو سے کوئی عبادت نہیں۔ مگر یہ کرنے سے انسان کو خود پر کنٹرول کرنے کی صلاحیت کا علم ہو جاتا ہے۔ ایک دفعہ اس صلاحیت کا علم ہو جائے تو انسان پھر اس صلاحیت کو ہر جگہ استعمال کر سکتا ہے۔ اپنے کھانے کو چھوڑنے والا دوسرے کا مال کیسے کھا سکتا ہے۔ اپنے پانی کو چھوڑنے والا دوسرے کی کسی چیز کی طرف کیسے بری نظر ڈال سکتا ہے۔ اپنی بیوی سے دور رہنے والا پرائی عورت کی طرف کیسے دیکھ سکتا ہے۔

اپنے نفس پر کنٹرول کی یہ صلاحیت ہی وہ بادشاہی ہے جس کا نتیجہ جنت کی ابدی بادشاہی ہے۔ بلاشبہ اس سے بڑی کوئی نعمت خالق کائنات نے تخلیق نہیں کی ہے۔

زندہ نماز

عام طور پر لوگ یہ شکایت کرتے ہیں کہ نمازوں میں یکسوئی اور توجہ نہیں پیدا ہو پاتی۔ عین نماز کے وقت ساری دنیا کے خیالات آنے لگتے ہیں۔ جس کے نتیجے میں نمازیں بے روح مشق بن کر رہ جاتی ہیں اور اطمینان قلب حاصل نہیں ہو پاتا۔

یہ شکایت بالکل درست ہے۔ مگر اس کو دور کرنا زیادہ مشکل نہیں ہے۔ نماز میں بے توجہی کچھ وجوہات کی بنا پر پیدا ہوتی ہے۔ ان وجوہات کو دور کر لیا جائے تو مکمل طور پر نہ سہی لیکن مجموعی طور پر نمازوں میں کافی بہتری لائی جا سکتی ہے۔

نماز میں توجہ کے ضمن میں بنیادی بات یہ سمجھنے کی ہے کہ توجہ کا تعلق شعور سے ہے۔ مثلاً آپ اگر ٹی وی پر خبریں دیکھ رہے ہیں تو آپ کا ذہن نیوز اینکر کی بات سننے اور سمجھنے میں مصروف رہے گا۔ بات کو سننے اور سمجھنے کا یہ عمل آپ کے شعور کو مسلسل ٹی وی کی طرف متوجہ رکھتا ہے۔ اب فرض کیجیے کہ یہ خبریں انگریزی میں آ رہی ہوں اور آپ کو انگریزی نہیں آتی تو سوچیے کیا ہو گا؟ آپ کتنی ہی شعوری کوشش کر لیں، آپ خبروں کی طرف متوجہ نہیں ہو سکتے۔ اس لیے کہ جب آپ کا شعور خبریں نہیں سمجھ سکے گا تو وہ کچھ ہی دیر میں کسی اور سمت متوجہ ہو جائے گا۔

چنانچہ یہاں سے یہ بات واضح ہوئی کہ اگر کوئی بات سمجھ میں نہیں آتی تو ہمارا شعور اس کی طرف متوجہ نہیں رہتا۔ نماز میں بے توجہی کی پہلی بنیادی وجہ یہی ہے کہ ہم نماز کے دوران میں جو کچھ اذکار پڑھتے ہیں وہ ہمارے لیے کچھ رٹے رٹائے الفاظ ہوتے ہیں۔ ہمیں ان الفاظ اور اذکار کا مطلب معلوم نہیں ہوتا۔ جب مطلب ہی نہیں معلوم تو ہمارا شعور دوسری سمت متوجہ ہونے لگتا ہے۔ ہم لاکھ کوشش کریں، بار بار اس کو نماز کی طرف لائیں؛ ذہن کچھ دیر میں پھر کسی اور سمت نکل جائے گا۔ یہ ذہن کا فطری کام ہے۔ ہم کسی مصنوعی کوشش سے

اس کو نہیں روک سکتے۔ چنانچہ نماز میں توجہ کے لیے پہلی ضروری چیز یہ ہے کہ نماز ترجمے کے ساتھ یاد کی جائے۔ نماز کے متعین اذکار بہت کم ہیں۔ کوشش کی جائے تو تھوڑے دنوں میں سب کا لفظی اور بامحاورہ ترجمہ یاد کیا جاسکتا ہے۔ اس کا اہتمام کرنا چاہیے۔

اس کے بعد ایک دوسرا مسئلہ سامنے آتا ہے۔ وہ یہ کہ بہت سے لوگ جن کو نماز ترجمے سے یاد ہوتی ہے، ان کی توجہ بھی نماز میں باقی نہیں رہتی۔ یہ شکایت بھی درست ہے۔ مگر ایک دفعہ پھر اس کی وجہ ذہن کے کام کرنے کا طریقہ ہے۔ اس طریقے کو ایک دوسری مثال سے سمجھیے۔

جو لوگ نئی نئی گاڑی چلانا سیکھتے ہیں وہ دوران ڈرائیونگ ہر کام سوچ سمجھ کر کرتے ہیں۔ مگر جن لوگوں کو گاڑی چلانے کی عادت ہو جائے وہ گاڑی اسٹارٹ کرنے سے لے کر بریک اور گیئر لگانے تک ہر کام لاشعوری طور پر خود بخود کرتے ہیں۔ ذہن کی یہ خصوصیت ہے کہ جن کاموں کی عادت ہو جائے وہ یہ کام خود نہیں کرتا بلکہ ہمارے اعصابی نظام کے اس حصے کے حوالے کر دیتا ہے جسے ریفلیکسز سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ یہ ایسا ہی ہے جیسے پائلٹ جہاز کو اڑانے کے بعد اسے آٹو موڈ کے حوالے کر دیتے ہیں۔

چنانچہ انسانی ذہن معمول کے طور پر کیے جانے والے کاموں کو اعصاب کے آٹو موڈ کے حوالے کر کے خود فارغ ہو جاتا ہے۔ چنانچہ عام تجربہ ہے کہ ہم ڈرائیونگ کے دوران ہر چیز آٹو میٹک طریقے پر بلا سوچے کرتے ہیں اور اس دوران میں ہمارا ذہن دوسری چیزیں سوچتا رہتا ہے۔

ٹھیک یہی نماز میں بھی ہوتا ہے۔ نماز متعین اعمال جیسے تکبیر تحریمہ، قیام، رکوع، سجود، قعدہ اور سلام جیسے اعمال پر مشتمل ہے۔ ہم ان اعمال کو معمولاً ادا کرنے کے عادی ہوتے ہیں۔ چنانچہ جیسے ہی ہم تکبیر تحریمہ کے لیے ہاتھ اٹھاتے ہیں، ہمارا ذہن سارے معاملات ریفلیکسز کے حوالے کر کے آٹو موڈ آن کر دیتا ہے اور خود دوسری چیزیں سوچنے میں مشغول ہو جاتا ہے۔ ہم لاکھ نماز میں توجہ قائم کرنے کی کوشش کر لیں، ذہن اپنی ساخت کے

تحت تھوڑی دیر میں پھر معاملات آٹو موڈ کے حوالے کر کے دوسری طرف متوجہ ہو جاتا ہے۔

نماز چونکہ اجتماعی عبادت ہے اس لیے اس کا طریقہ ایک رکھنا ضروری ہے۔ چنانچہ نماز کے اعمال متعین ہیں۔ مگر اللہ تعالیٰ نے انسانوں کے اس مسئلے کو سمجھتے ہوئے ہمیں یہ آزادی دی ہے کہ کچھ مختصر اور متعین اذکار کے سوا خدا کی حمد، ثنا، تسبیح، تمجید، تعریف، تقدیس، دعا، درود وسلام کے ضمن میں جو چاہیں پڑھ سکتے ہیں۔ نماز کے متعین اذکار بہت مختصر ہیں جیسے سورہ فاتحہ، اللہ اکبر، سمع اللہ لمن حمدہ اور سلام وغیرہ۔ اس کے علاوہ نماز میں کوئی چیز متعین نہیں ہے۔ چنانچہ قرأت کرتے ہوئے یہ آزادی ہے کہ جہاں سے چاہیں اور جتنا چاہیں قرآن پڑھیں۔ اس کے لیے ہمیں یہ اہتمام کرنا چاہیے کہ زیادہ سے زیادہ قرآن یاد کریں تاکہ مختلف نمازوں اور رکعتوں میں قرآن کا الگ الگ حصہ پڑھا جاسکے۔

اسی طرح رکوع، سجود، قعدہ وغیرہ میں بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مختلف مواقع پر مختلف اذکار پڑھا کرتے تھے۔ ان کا اہتمام کرنا چاہیے۔ اس ضمن میں ہمیں ان اہل علم کی رائے سے اتفاق ہے جو ان ذاتی اذکار و دعا میں عربی کی شرط نہیں لگاتے۔ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنی ذاتی زبان عربی ہی میں اللہ کے حضور ذکر ومناجات فرماتے تھے۔ یہی اسوہ حسنہ ہمارے لیے ہے۔ آپ عربی کے مسنون اذکار کے علاوہ اپنی زبان میں جس طرح چاہیں خدا کو یاد کریں اور اس کے حضور اپنے معاملات پیش کریں۔

اس ذاتی ذکر اور دعا سے آپ کی نماز خدا سے ایک زندہ مکالمہ بن جائے گی۔ یہ زندہ نماز ایسی نعمت ہے جس کا کوئی تصور رٹے رٹائے الفاظ پڑھنے والا شخص نہیں کر سکتا۔ اسی سے نماز میں توجہ، خشوع، محبت اور شوق پیدا ہوتا ہے۔ یہی وہ چیز ہے جس کی آج ہر نمازی کو ضرورت ہے۔

بندگی کا روزہ

بھوک کی اذیت بھی بہت سخت ہوتی ہے۔ مگر گرمی کے طویل روزے میں پیاس کی اذیت بھوک کی تکلیف کو بھلا چکی ہے۔ پیاس سے گلا خشک ہو چکا ہے۔ منہ سوکھ چکا ہے۔ جسم نڈھال ہو چکا ہے۔ مگر آپ کبھی پانی کا ایک قطرہ بھی نہیں پئیں گے۔ اس لیے کہ روزہ ٹوٹ جائے گا۔ یہ روزہ ہے۔ یہ اس کی عظمت ہے جس کی بنا پر ہم اتنی مشقت جھیلتے اور اس قدر تکلیف اٹھاتے ہیں۔

مگر دوسری طرف ہم سب ایک اور روزہ رکھے ہوئے ہیں۔ یہ بندگی کا روزہ ہے۔ یہ روزہ خدا کی ہر نافرمانی کے ساتھ ٹوٹ جاتا ہے۔ مگر ہمیں اس روزے کے ٹوٹنے کا کوئی افسوس نہیں ہوتا۔ اس لیے کہ ہمیں اس روزے کے ٹوٹنے کا کوئی احساس بھی نہیں ہوتا۔ ہم بندگی کا روزہ ہر روز توڑتے ہیں۔ حتیٰ کہ عین روزے کے عالم میں بھی توڑتے ہیں۔ مگر ہمارا ہر احساس اس سنگین جرم کو سمجھنے کے لیے مردہ بنا رہتا ہے۔ اس لیے کہ ہم نے اس جرم کو کبھی جرم ہی نہیں سمجھا۔

جس وقت ہم فواحش سے لطف اندوز ہوتے ہیں۔ حرام کھاتے اور کماتے ہیں۔ لوگوں کے ساتھ ظلم کرتے، انھیں دھوکہ دیتے اور ان کا مال دباتے ہیں، بندگی کا یہ روزہ ٹوٹ جاتا ہے۔

جس وقت ہم جھوٹ بولتے ہیں اور جھوٹ پھیلاتے ہیں۔ جس وقت ہم غیبت کرکے کسی کو رسوا کرتے ہیں۔ جس وقت ہم الزام و بہتان لگا کر کسی کو بدنام کرتے ہیں۔ بندگی کا یہ روزہ ٹوٹ جاتا ہے۔

جس وقت ہم اپنی خواہشات کو دین بنالیتے ہیں۔ جس وقت ہم اپنے تعصبات کی بنا پر سچائی کو رد کردیتے ہیں۔ جس وقت ہم عدل وانصاف کے تقاضوں کو پامال کرتے ہیں۔ بندگی کا یہ روزہ ٹوٹ جاتا ہے۔

کتنے روزہ دار ہیں جو بندگی کا روزہ ہر روز توڑتے ہیں۔ کتنا عجیب ہے ان کا روزہ رکھنا۔ کتنا عجیب ہے ان کا رمضان کی مشقت جھیلنا۔

رمضان اور رنگین عینک

رمضان سے قبل یہ عارف کی آخری نشست تھی۔ لوگ بڑی توجہ سے ان کی قیمتی باتیں سن رہے تھے۔ گفتگو کا موضوع یہی تھا کہ رمضان سے زیادہ سے زیادہ فائدہ کس طرح اٹھایا جائے۔ نشست ختم ہونے لگی تو عارف نے کہا:

"میں آخر میں رمضان کے روزوں سے ملنے والا سب سے بڑا سبق آپ کو بتانا چاہتا ہوں۔"

ہر شخص ان کی بات سننے کے لیے پوری طرح متوجہ ہو گیا۔

"دیکھیے رمضان میں ہم وہ کچھ کرتے ہیں جن کا عام حالات میں شاید سوچ بھی نہیں سکتے۔ ہمیں وقت پر کھانا نہ ملے تو گھر میں ہنگامہ کر دیتے ہیں۔ پانی نہ پینے اور اس کے لیے شام تک کا انتظار کرنے کا تو کوئی سوال ہی نہیں۔ عام طور پر نیکی سے بہت دور رہنے والے نوجوان بھی اپنی نوبیاہتا بیوی کی موجودگی میں بھی ایسے بن جاتے ہیں جیسے کمرے میں وہ دونوں تنہا نہیں بلکہ پوری مجلس جمی ہوئی ہو۔ یہ سب روزے کی برکات ہیں۔ مگر کیا آپ نے کبھی سوچا کہ یہ برکت حاصل کیسے ہوتی ہے؟"

لوگ خاموش رہے۔ وہ اس بات کا جواب عارف ہی کے منہ سے سننا چاہتے تھے۔ مگر انھوں نے اپنے سوال کا جواب دینے کے بجائے ایک سوال اور کر دیا۔

"شدید دھوپ کے موسم میں آپ لوگ کبھی گہرے رنگ کا چشمہ لگا کر گھر سے نکلے ہیں؟"

کئی لوگوں نے بیک وقت بلند آواز سے ہاں کہا۔

"اس سے کیا فرق پڑتا ہے؟"، عارف نے پھر پوچھا۔

"موسم کی شدت کم ہو جاتی ہے۔ منظر اچھا نظر آنے لگتا ہے۔ آنکھوں پر دباؤ کم ہو جاتا ہے۔ دھوپ کا اثر کم محسوس ہوتا ہے۔ دماغ گرمی کم محسوس کرتا ہے اس لیے جسمانی نظام کم پسینہ خارج کرتا ہے۔ ہر چیز اچھی محسوس ہوتی ہے۔"

بہت سارے جوابات تھے جو لوگوں نے اپنے اپنے تجربے کے مطابق دیے۔

"آپ میں سے ہر شخص نے بالکل ٹھیک کہا۔ عین دوپہر اور سخت گرمی کے وقت بھی جب آپ کے خارج کی دنیا اور جسم کے اندر ہر جگہ گرمی، تپش اور دھوپ کے اثرات چھائے ہوئے ہوتے ہیں، آنکھوں پر لگا ہوا رنگین چشمہ ان اثرات کو بڑی حد تک غیر موثر کر دیتا ہے۔ یہی انسانی نفسیات ہے۔ یہی نفسیات روزے میں کام کرتی ہے اور انسان کو بھوک، پیاس اور دیگر بنیادی جبلتوں پر قابو پانے کی صلاحیت دیتی ہے۔"

"مگر روزے میں تو ہم کوئی رنگین چشمہ نہیں پہنتے؟"، ایک صاحب نے لقمہ دیا۔

"بالکل پہنتے ہیں۔ یہ چشمہ صبر اور امید کے رنگوں سے مرکب ہوتا ہے۔ امید اس بات کی کہ بس افطار تک کی ہی تو بات ہے۔ اور صبر اس چیز پر کہ اس روزے کا اجر اللہ کے ہاں بہت زیادہ ہے۔ اس اجر کے لیے ہم سب اپنی ضرویات سے رکتے، مشقت جھیلتے اور خواہش پر قابو پا لیتے ہیں۔ اور امید رکھتے ہیں کہ چند گھنٹوں بعد پیاس ٹھنڈک سے اور بھوک سیری سے بدل جائے گی۔"

"تو اس میں سبق کیا ہے؟"، ایک اور صاحب نے سوال کیا تو عارف بولے۔

"یہی سبق ہے۔ یہ صبر اور امید کا رنگین چشمہ اصل سبق ہے۔ جو لوگ یہ دو رنگا چشمہ مستقل طور پر لگانا شروع کر دیتے ہیں ان کے لیے زندگی کی ہر آزمائش کو جھیلنا، ہر ناگواری کو سہنا اور رب کی ہر نافرمانی سے رکنا آسان ہو جاتا ہے۔ اس امید پر کہ بس تھوڑی مدت کی بات ہے پھر ختم نہ ہونے والا اجر ہے۔ اس امید پر کہ آخرت کا اجر جب ملے گا تو زندگی کی ہر تلخی کو بھلا کر رکھ دے گا، انسان صبر کرتا ہے اور یہ صبر زندگی کو تلخ ہونے سے بچا لیتا ہے۔ سو اس رمضان میں جب روزے میں بحالت مجبوری صبر اور امید کا چشمہ لگائیں تو یہ عزم کر لیں کہ باقی گیارہ مہینے بھی یہی رنگین چشمہ لگا کر زندگی کی تلخی کو حوصلے سے پینا ہے۔ اس امید پر کہ جنت کی منزل زیادہ دور نہیں ہے۔"

عارف کی نشست تمام ہوئی۔ روزے کا ایک نیا سبق ہر سامع نے سیکھ لیا۔

روزہ اور خواتین

رمضان میں خواتین اپنی فطری وجوہات کی بنا پر کچھ روزے نہیں رکھ پاتیں۔ یہ صورتحال اگر آخری عشرے میں ہو جائے تو شب قدر سے محرومی کا خوف بھی خواتین کو تکلیف میں مبتلا کر دیتا ہے۔ جبکہ کچھ خواتین یہ خیال کرتی ہیں کہ ان دنوں میں روزہ نماز نہیں تو باقی بھی چھٹی ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ ان ایام میں روزہ نماز ممنوع ہیں لیکن اللہ تعالیٰ کے قرب کا ہر دروازہ ویسے ہی کھلا ہوتا ہے جیسے عام دنوں میں۔ نماز کی اصل ذکر الٰہی ہے۔ دعا عبادت کی جان ہے۔ قرآن کو ترجمے سے سمجھنا اصل مقصد ہے۔ یہ سارے دروازے ہر حال میں کھلے ہیں۔

حقیقت یہ ہے کہ خواتین کے یہ ایام ایک عظیم یاددہانی کا موقع ہیں۔ وہ یہ کہ خواتین کی یہ کیفیت اللہ کی طرف سے ہے۔ اس پر کوئی گرفت نہیں۔ مگر ایک دوسری چیز ہے جس پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے سخت ترین گرفت بلکہ جہنم کی وعید ہے۔ وہ ہے اخلاقی ناپاکی۔ یہ اخلاقی ناپاکی کیا ہے، دین اسی سوال کا جواب تفصیل سے دیتا ہے۔ یہ اپنے ایمان کو ماحول میں پھیلے ہوئے تعصبات سے آلودہ کرنا ہے۔ یہ اپنی سیرت کو حسد، تکبر، حرص، نفرت ، بخل اور ان جیسے دیگر پست جذبات سے داغ دار کرنا ہے۔ دین بالکل واضح ہے کہ جو شخص اس طرح کی اخلاقی ناپاکی اختیار کرے گا وہ جنت میں داخلے سے محروم رہ جائے گا۔

خواتین کو ان دنوں میں یہ دیکھنا چاہیے کہ ان میں کون سی اخلاقی ناپاکی ہے جو وہ دن رات اپنی مرضی سے اختیار کیے ہوئے ہیں۔ اللہ کو اپنی بندیوں کی جسمانی ناپاکی سے کوئی مسئلہ نہیں مگر ان کی اخلاقی ناپاکی اسے سخت ناپسند ہے۔ کل قیامت کے دن وہ ہر اس عورت کو اپنے قرب سے محروم کر دے گا جو اخلاقی طور پر ناپاک ہو گی۔

جو خاتون اپنی جسمانی ناپاکی کو دیکھ کر اپنی اخلاقی ناپاکی سے نجات پالے، وہ دنیا کی خوش نصیب ترین خاتون ہے کیونکہ کل اس کا رب اسے جنت میں اپنے قدموں میں جگہ دے گا۔

انانیت، نفسانیت اور روزہ

انسان جنت کی راہ کا ازلی مسافر ہے۔ روز ازل جب اس نے بار امانت کو اٹھانے کا فیصلہ کیا تو اس مشقت کو جھیلنے کا اصل مقصد جنت کی ابدی بادشاہی کو حاصل کرنا تھا۔ زمین سے لے کر آسمان تک پھیلی ہوئی خدا کی عظیم سلطنت میں حکومت کرنے کا پروانہ حاصل کرنا تھا۔ یہ وہ اعزاز تھا جو نہ فرشتوں کو ملا نہ جنوں کو۔ نہ آسمان اس سفر میں اترنے کی ہمت کر سکا نہ زمین۔ نہ پہاڑ اس بلندی کو پہنچ سکے اور نہ سمندر اس کا حوصلہ کر سکا۔

جنت کی یہ منزل ایک سیدھے رستے پر واقع ہے۔ سیدھا راستہ یہ ہے کہ زندگی کے ہر موڑ پر جہاں رب کا حکم آئے گا، انسان وہی رخ اختیار کرے گا جو رب کو پسند ہو گا۔ اس سیدھے راستے میں اصل رکاوٹ انسان کے اندر سے آتی ہے۔ اور دو پہلوؤں سے آتی ہے۔ ایک یہ کہ انسان اپنے نفس کے تقاضوں، مفادات اور خواہشات کا اسیر ہو جاتا ہے۔ دوسری یہ کہ انسان انانیت کا شکار ہو کر سچائی کا انکار کر دیتا ہے۔ چنانچہ ان دو پہلوؤں سے انسانوں کی مدد کے لیے اللہ تعالیٰ نے رمضان کا مہینہ مقرر کیا جس میں دو عبادات ان دونوں مسئلوں کا علاج کرتی ہیں۔ شرط یہ ہے کہ انسان ان عبادات کو ان کی حقیقی روح کے ساتھ ادا کرے۔ ایک روزہ جو فرض اور دوسرا رات کی نفل نماز جس کا قیام بڑی فضیلت اور اجر کا باعث ہے۔

روزہ انسان کو نفس اور اس کے تقاضوں کے خلاف جنگ کرنا سکھاتا ہے۔ یہ انسان کو بتاتا ہے کہ انسان کا ارادہ اتنا طاقتور ہے کہ وہ اپنے آپ سے لڑ کر اپنی بنیادی ضرورت بھوک اور پیاس اور اپنی بنیادی خواہش یعنی میاں بیوی کے تعلق سے خود کو روک سکتا ہے۔ جو انسان ان جائز اور ضروری چیزوں سے خود کو روکنے کی شعوری تربیت کر لے، کیسے ممکن ہے کہ وہ رب کی نافرمانی کے ان کاموں میں مبتلا ہو جائے جو نہ ضروری ہوتے ہیں اور نہ عقل و فطرت ان کی اجازت دیتی ہے۔ اس کے ساتھ نماز اور خاص کر رات کی نفل نماز جو کہ عام نمازوں سے طویل ہوتی ہے وہ انسان کی انانیت کو ختم کرنے میں معاون ثابت ہوتی ہے۔

نماز دراصل اللہ کی کبریائی بیان کرنے کا نام ہے۔ اللہ اکبر اس کا سب سے زیادہ دہرایا جانے والا کلمہ ہے۔ یہ اعتراف اور جھکاؤ کا نام ہے۔ سورہ فاتحہ میں اللہ کی نعمتوں کا بار بار اعتراف اور قیام، رکوع، سجدے اور قعدے میں ہر ہر پہلو سے جھکے رہنے کی تربیت انسان میں عام زندگی میں بھی اعتراف اور جھکے رہنے کی صفت پیدا کرتی ہے۔ یہی دو چیزیں انسان کی انا کو قابو میں رکھتی ہیں۔

انسانی انا کے دو بنیادی مسائل ہیں۔ ایک یہ کہ یہ اعتراف نہیں کرتی۔ اپنی غلطی ہو یا کسی دوسرے کی خوبی اور بڑائی کا اعتراف کرنا ہو، انسان ان دونوں مواقعوں پر پیچھے ہٹ جاتا ہے۔ آدمی بڑی سے بڑی غلطی کا ارتکاب کرتا ہے اور جب توجہ دلائی جاتی ہے تو بجائے غلطی ماننے کے وہ چند بے معنی الفاظ بول کر اور بے وقعت تاویل کرکے اپنی غلطی ماننے سے انکار کر دیتا ہے۔ یہ انا کی وجہ سے ہوتا ہے۔ اس کی سب سے بڑی مثال شیطان ہے جس نے نہ صرف اللہ کا حکم ماننے سے انکار کر دیا بلکہ جب اسے توجہ دلائی گئی تو اس نے اپنی غلطی ماننے سے صاف انکار کر دیا۔

اسی طرح انسان دوسروں کی خوبی اور بڑائی کا اعتراف کرنے میں ہمیشہ بخل سے کام لیتے ہیں۔ مثال کے طور پر لوگ اپنے زمانے کے بڑے سے بڑے آدمی کو معمولی آدمی سمجھ کر اس کی غلطیاں اور کمزوریاں نکالتے رہتے ہیں اور اس کی خوبیوں کو نہیں سراہتے۔ اسی طرح ایک ہی شعبہ کے لوگ اپنے سوا دوسروں کی خوبی کا کم ہی اعتراف کرتے ہیں۔ اس کے بجائے انسان ہمیشہ خود کو نمایاں کرنے، اپنی تعریف سننے اور اپنے آپ کو اہم سمجھنے کو پسند کرتے ہیں۔ لیکن یہ بھی شیطان کا طریقہ ہے جس نے آدم کا اعتراف کرنے سے انکار کر دیا تھا۔ اس کا انجام اللہ کی ناراضی اور ابدی جہنم ہے۔ رمضان میں روزہ اور نماز دراصل انہی دو کمزوریوں سے نجات دلا کر انسانوں کو جہنم سے بچاتے اور جنت کی راہ کا مسافر بناتے ہیں۔

ابدی روزہ

اللہ تعالیٰ نے انسان کو جس فطرت پر پیدا کیا ہے وہ اپنی ذات میں اس کی بہت کچھ رہنمائی کرتی ہے۔اس فطرت کے مطابق انسان جو کچھ کرتا ہے اسے اللہ کا قانون فطرت کہا جاتا ہے۔انسان اسی فطرت کے تحت کھاتا ہے پیتا ہے، شادی کرتا ہے، اولاد حاصل کرتا ہے، گھر بناتا اور بہت سے دیگر کام کرتا ہے۔ یہ تمام امور اتنے فطری ہوتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے بتائے بغیر جائز ہو جاتے ہیں اور اس کے کہے بغیر اللہ کا حکم بن جاتے ہیں،(البقرہ2:222)۔

رمضان کا مہینہ آتا ہے تو اللہ تعالیٰ بندوں کا عجب طرح سے امتحان لیتے ہیں۔ وہ اس فطری قانون کے تحت جائز چیزیں یعنی کھانا، پینا اور میاں بیوی کا تعلق ایک خاص وقت کے لیے ناجائز کر دیتے ہیں۔ بندے رب کا حکم سنتے ہیں اور اس کی اطاعت کا اظہار کرتے ہوئے اپنی فطری ضروریات سے بھی رک جاتے ہیں۔اللہ تعالیٰ اس پر اتنا خوش ہوتے ہیں کہ احادیث کے مطابق جنت میں ان کے لیے ایک خاص دروازہ بنا دیتے ہیں۔ ان کی منہ کی بو کو خوشبو سے زیادہ پسند کرتے ہیں۔ان کو روزہ کی جزا خود دینے کا وعدہ کرتے ہیں اور اپنی ملاقات کے وقت ایک خاص خوشی ملنے کی خوش خبری سناتے ہیں۔

اس دنیا میں کچھ لوگ ایسے ہوتے ہیں جو خدا کے قانون ابتلا کے تحت قانون فطرت کی جائزہ کردہ بہت سی نعمتوں سے ہمیشہ کے لیے محروم ہو جاتے ہیں۔ بہت سی بہنوں کی شادیاں نہیں ہو پاتیں۔ بہت سے لوگ معذور رہتے ہیں۔ بہت سے لوگ عمر بھر مریض رہتے ہیں۔ بہت سے لوگ تا زیست غربت کا شکار رہتے ہیں۔

ایسے تمام لوگ ابدی طور پر روزے کی حالت میں ہیں۔ ان کو جب ان کے صبر کا اجر ملے گا تو ہر روزہ دار حیران رہ جائے گا۔اس روزان کا اجر ناپنے کے لیے ہر پیمانہ چھوٹا پڑ جائے گا۔

رب بول رہا ہے

قرآن مجید سے ہدایت کی جو تاریخ سامنے آتی ہے اس کے مطابق اللہ تعالیٰ نے تمام انسانوں کو ایک امت بنا کر دنیا میں بھیجا تھا۔ اس کی تفصیل قرآن مجید سے یہ معلوم ہوتی ہے کہ انسانیت کا آغاز جس ہستی یعنی حضرت آدم علیہ السلام سے ہوا تھا وہ اللہ تعالیٰ سے ہدایت پا کر اس دنیا میں تشریف لائے اور انسانیت نے اپنی زندگی کا آغاز کیا۔

اولاد آدم کو اول دن سے معلوم تھا کہ انھیں اللہ کی ہدایت کی پیروی کرنی ہے اور اس راستے میں شیطان ان کا سب سے بڑا دشمن ہے جو ہر قدم پر ان کی راہ کھوٹی کرنے کی کوشش کرے گا۔ حسب توقع ابتداء ہی سے شیطان نے اپنی کارفرمائی شروع کر دی۔ جس کے نتیجے میں انسانوں کی عملی گمراہیوں اور ظلم و تعدی کا آغاز ہو گیا۔ اس کی ایک مثال قرآن مجید میں بیان کردہ قابیل و ہابیل کا واقعہ ہے۔ ہابیل اور قابیل نے اللہ کے حضور قربانی پیش کی۔ ہابیل کی قربانی قبول ہو گئی اور قابیل کی قربانی رد ہو گئی۔ اس پر قابیل نے حسد اور غصے کے شیطانی جذبات کا شکار ہو کر ہابیل کو قتل کر ڈالا۔

رفتہ رفتہ اس عملی گمراہی اور ظلم و تعدی کے ساتھ فکری اختلافات نے جنم لیا اور لوگ دین کی بنیادی ہدایت یعنی توحید کے بارے میں بھی اختلافات کرنے لگے۔ چنانچہ یہی وہ موقع تھا جب اللہ تعالیٰ نے اپنے انبیاء کو بھیجا جو ان اختلافات میں درست بات کی طرف رہنمائی کرتے اور ساتھ میں صحیح رویہ اختیار کرنے والوں کو اللہ کی رحمت، نجات اور جنت کی خوشخبری سناتے اور بدکاروں کو خدا کی پکڑ اور اس کے غضب اور عذاب سے متنبہ کرتے۔

انبیا علیھم السلام وہ ہستیاں تھے جن پر اللہ کی ہدایت بذیعہ وحی نازل ہوتی۔ یہ وحی براہ راست انبیا کے قلب اطہر پر بھی اترتی اور اللہ کے فرشتوں کے ذریعے سے بھی ان تک پہنچائی جاتی۔ وحی کے ذریعے سے ملنے والی یہ ہدایت حضرات انبیا عام لوگوں تک پہنچاتے اور ان کی رہنمائی کرتے۔

تمدن کے ارتقا اور زمانی ضروریات کے پیش نظر ہدایت کے باب میں ایک اگلا قدم یہ اٹھایا گیا کہ بعد میں آنے والا انبیاء پر وحی کو کتابوں کی شکل میں مرتب کیا جانے لگا۔ اللہ کی مرضی، اس کی ہدایت، اس کا دیا ہوا قانون، اس کی حمد و ثنا کے طریقے اور اس کے فیصلے جو انبیاء کی زبانی لوگوں تک منتقل ہوتے، انھیں تحریری شکل میں مرتب کرکے محفوظ کر دیا جاتا۔ یوں کتاب کی شکل میں مرتب کردہ ہدایت زیادہ وسیع حلقے تک پھیل جاتی اور انبیا کے رخصت ہونے کے بعد بھی لوگوں کے اختلافات کا فیصلہ کرکے ان کی رہنمائی کا فریضہ سرانجام دیتی۔

اس سلسلے کا آخری قدم وہ تھا جو نزول قرآن مجید کے وقت اٹھایا گیا۔ قرآن مجید کے معاملے میں یہ اہتمام کیا گیا کہ اللہ کی نازل کردہ وحی کے الفاظ حرف بحرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قلب اطہر پر نازل کیے گئے اور آپ کی زبان مبارکہ سے دنیا کی تاریخ میں پہلی اور آخری دفعہ اللہ کا کلام اس کے اپنے منتخب کیے ہوئے الفاظ کی شکل میں محفوظ کیا گیا۔ یہی وہ چیز ہے جسے تورات میں نبی کریم علیہ السلام کی پیش گوئی کے وقت اس طرح بیان کیا گیا ہے کہ میں اپنا کلام اس کے منہ میں ڈالوں گا اور قرآن میں اسے یتلوا علیھم آیاتہ (وہ ان پر اللہ کی آیات تلاوت کرتا ہے) کے الفاظ سے بیان کیا گیا۔ صرف یہی نہیں بلکہ یہ اہتمام بھی کیا گیا کہ سلسلہ نبوت چونکہ ختم کیا جارہا ہے اس لیے اس کلام کو ہمیشہ کے لیے محفوظ کر دیا جائے۔ چنانچہ قرآن مجید پچھلی کتابوں کے برعکس ہر طرح کی تبدیلی و تحریف سے محفوظ ہے۔

قرآن مجید میں ایک مزید یہ اہتمام کیا گیا ہے کہ جن بنیادی چیزوں پر انسان کی نجات موقوف ہے اسے کھول کھول کر اور دہرا دہرا کر اتنا زیادہ بیان کیا گیا ہے کہ کوئی احمق سے احمق آدمی بھی، اگر وہ ہدایت حاصل کرنے میں سنجیدہ ہے تو یہ سمجھنے میں غلطی نہیں کر سکتا کہ قرآن مجید کن چیزوں پر آخرت کی نجات موقوف قرار دیتا ہے۔ جن لوگوں کو اس بات کو مزید تفصیل سے سمجھنا ہے وہ راقم کی کتاب "قرآن کا مطلوب انسان" کا مطالعہ

کر کے یہ دیکھ سکتے ہیں کہ قرآن مجید اپنے اصل مقصود کو بیان کرنے میں کتنا زیادہ واضح ہے۔

یہ عوام الناس کے لیے قرآن مجید کی حیثیت ہے۔ جبکہ اہل علم اور خواص کے لیے قرآن مجید کا اعجاز یہ ہے کہ وہ مشکل ترین علمی، مذہبی اور فلسفیانہ مسائل میں بھی ایک فیصلہ کن بات کہتا ہے۔ ایسے معاملات میں جب کوئی علمی اور ادبی ذوق کا شخص قرآن مجید کی طرف رخ کرتا ہے تو ہمیشہ اپنے دامن مراد کو بھر کر لوٹتا ہے۔ اس کا سبب یہ ہے کہ قرآن مجید اب قیامت تک اللہ تعالیٰ کے قائم مقام ہے۔ جس طرح اللہ سے مانگ کر کوئی شخص نامراد نہیں رہ سکتا اسی طرح قرآن کا کوئی سائل خالی ہاتھ نہیں لوٹتا۔

مگر دور حاضر میں مسلمانوں کی بد قسمتی ہے کہ وہ قرآن کو پڑھتے ہی نہیں۔ جو پڑھتے ہیں وہ بغیر سمجھے اس کے الفاظ دہرانے کو عبادت سمجھتے ہیں۔ جو سمجھ سکتے ہیں، وہ تدبر اور غور و فکر کی زحمت گوارا نہیں کرتے۔ اس کے ساتھ ساتھ اکثر لوگ قرآن کی ہدایت کو سمجھنے سے قبل ہی اپنے نظریات میں پختہ ہو کر قرآن تک آتے ہیں۔ جس کے بعد قرآن مجید سے انھیں اپنی گمراہی کی تائید کے سوا کچھ نہیں ملتا۔ **یضل بہ کثیرا... وما یضل بہ الا الفاسقین**۔

تاہم ماہ رمضان میں ہم میں سے ہر شخص کو یہ موقع ملا ہے کہ وہ قرآن پڑھ کر گمراہ ہو جانے اور اپنے فسق کو اللہ کی نظر میں یقینی بنانے کے بجائے، اس سے ہدایت پائے۔ اس کا طریقہ یہ ہے کہ قرآن مجید کو اللہ تعالیٰ کے قائم مقام سمجھ کر اسے پڑھا جائے۔ اس یقین کے ساتھ کہ رب بول رہا ہے اور ہم سن رہے ہیں۔ اپنے دل کو ہر نظریے، تعصب اور خواہش سے خالی کر کے صرف اللہ کی بات سمجھنے کی غرض سے قرآن کا مطالعہ کیا جائے۔ کوئی بات سمجھ نہ آئے تو دو چار بڑے اہل علم کی تفاسیر اور اچھے اہل علم سے سمجھنے کی کوشش کی جائے۔ اس کے بعد یقین جانیے کہ جنت کا راستہ آپ پر کھل جائے گا۔ ورنہ اطمینان رکھیے! جہنم **ھل من مزید** (کیا اور لوگ بھی ہیں؟) کی صدا ہر روز بلند کرتی ہے۔ جو لوگ قرآن کی آواز پر لبیک نہیں کہتے جہنم کی اس پکار کا جواب بننا ان کا مقدر ہو جائے گا۔

ایک دن کا روزہ

رمضان کا ہماری پوری زندگی سے کیا تعلق ہے، اس حقیقت کو ایک عارف نے کمال خوبصورتی سے اس طرح بیان کیا ہے: ہم اس دنیا میں ایک دن کے لیے آئے ہیں۔۔۔ اور اس دن ہم نے روزہ رکھ لیا ہے۔

انسان اس دنیا میں جب آنکھ کھولتا ہے تو وہ خود کو نعمتوں کے سمندر میں گھرا ہوا پاتا ہے۔ اسے بھوک میں کھانا، پیاس میں پانی، نیند کے لیے پر سکون رات، کام کے لیے روشن دن، جینے کے لیے رشتوں کا تعلق اور رہنے کے لیے کرہ ارض جیسا آرام دہ گھر ہی نہیں دیا گیا، بلکہ اس کی زبان کے لیے لذیذ ترین ذائقے، سماعت کے لیے نرم و شیریں آہنگ، بصارت کے لیے ان گنت رنگوں کی برسات اور قوت شامہ کو معطر کر کے روح تک اتر جانے والی خوشبوؤں کی مہک بھی عطا کی گئی ہیں۔

نعمتوں کی یہ حسین دنیا اسے بتاتی ہے کہ اس کا ایک خالق اور مالک ہے جس کی مہربانیوں کے اعتراف میں اسے سراپا شکر اور سراپا اطاعت بن جانا چاہیے۔ اسے رب کی نافرمانی کے ہر راستے سے رک جانا چاہیے۔ مگر اس کی خواہشات ، ضروریات، انسانی کمزوریاں اور حیوانی جذبات اکثر اسے اطاعت کے سیدھے راستے سے ہٹا کر نافرمانی کی پگڈنڈیوں پر لے جاتے ہیں جن پر چلنے سے صرف جہنم کی منزل سامنے آتی ہے۔

ایسے میں رمضان کا روزہ اسے یاد دلاتا ہے کہ اسے کیسی اعلیٰ نعمتیں دی گئی ہیں اور ان کے جواب میں اسے نافرمانی کے ہر کام سے رک کر، عمرِ رواں کے بس ایک ہی دن کا تو روزہ رکھنا ہے۔ جس دن کے بعد حیاتِ جاوداں کا وہ دور آئے گا جب ہر پابندی اٹھالی جائے گی اور ہر سختی آسان کر دی جائے گی۔ یہی رمضان کی مشقت کا حاصل ہے۔

حاصل قرآن

رمضان قرآن مجید کا مہینہ ہے۔ قرآن مجید کو سمجھ کر پڑھنا، تدبر کے ساتھ اس کا مطالعہ کرنا اور اس کے ساتھ ذہنی اعتکاف کرنا اس ماہ کی بہترین عبادات ہیں۔ یہ گویا اللہ تعالیٰ کے ساتھ خلوت میں گفتگو کرنے کی ایک فکری اور قلبی واردات ہوتی ہے۔

قرآن مجید کو جب خالی الذہن ہو کر صرف اس کی بات سمجھنے کے لیے پڑھا جاتا ہے تو دو باتیں روز روشن کی طرح واضح ہوتی ہیں۔ ان میں سے پہلی یہ ہے کہ قرآن مجید کی مرکزی دعوت یہ ہے کہ انسان اپنے جذبات، احساسات، محبت، عبادت، نصرت، اطاعت، حمیت اور حمایت کا اصل مرکز صرف اللہ تعالیٰ کو بنا لے۔ قرآن صرف ایک خدا کی عبادت ہی کی بات نہیں کرتا بلکہ اسے فرد کی زندگی کا مرکزی خیال بنا دیتا ہے۔ یہی قرآن کی بنیادی دعوت ہے۔

قرآن مجید کی دوسری خصوصیت یہ ہے کہ قرآن مجید اپنی دعوت کے لیے جو دلائل دیتا ہے وہ اول تا آخر عقلی دلائل ہیں۔ جذباتی دلیل تو دور کی بات ہے، قرآن جذباتی اسلوب میں بھی کم ہی گفتگو کرتا ہے۔ جذباتی دلائل اگر قرآن نے نقل کیے ہیں تو وہ کفار کے ہیں۔ مثلاً کفار یہ کہتے تھے کہ ہم نے اپنے باپ دادا اور بزرگوں کو اس دین شرک پر پایا ہے۔ یہ غلط کیسے ہو سکتا ہے۔ آباء واجداد کی تقلید کی یہ دلیل اتنی وزنی ہے کہ کسی بھی عقلی بات کو اڑا کر رکھ سکتی ہے۔ مگر حقیقت یہ ہے کہ یہ سر تا سر ایک جذباتی دلیل ہے جس کی علم کی دنیا میں کوئی وقعت نہیں۔ یہ الگ بات ہے کہ یہی جذباتی انداز فکر آج ہمارے ہاں مقبولیت کا معیار ہے۔

مخلوق کے بجائے ایک خالق کو محبت اور عبادت کا مرکز ہونا چاہیے، یہی قرآن مجید کی دعوت ہے۔ جذباتیت کے بجائے معقولیت کو حق و باطل کا معیار ہونا چاہیے، یہی قرآن مجید کا استدلال ہے۔ یہی اس فقیر کے زندگی بھر کے فہم قرآن کا خلاصہ ہے۔

اللہ کی بڑائی اور روزہ

قرآن مجید میں روزہ کی حکمتیں بیان کرتے ہوئے یہ بات کہی گئی ہے کہ اللہ نے جو ہدایت تمھیں دی ہے، تم اس پر اللہ کی بڑائی کرو، (البقرہ2:185)۔

کسی کو بڑا سمجھنے کے دو معروف طریقے ہیں۔ ایک یہ کہ زبانی طور پر اس کی بڑائی بیان کی جائے۔ دوسرا یہ ہے کہ اس کی بڑائی کی بنا پر اس کی بات مان لی جائے۔ چنانچہ ان دونوں طریقوں ہی سے روزوں کے ساتھ اللہ کی بڑائی بیان کی جاتی ہے۔

زبانی طور پر اللہ تعالیٰ کی بڑائی بیان کرنے کی شکل عید کی نماز میں پڑھی جانے والی اضافی تکبیرات ہیں۔ تاہم عملی طور پر روزہ رکھنا خود اللہ کی بڑائی کا سب سے بڑا اظہار ہے۔ روزے میں انسان اللہ کے حکم پر اپنی بنیادی ضروریات سے رک جاتا ہے۔ روزے کی حالت میں ایک مسلمان اپنے اوپر جن پابندیوں کو عائد کرلیتا ہے ان کا تصور بھی عام حالات میں نہیں کیا جاسکتا۔ کسی ہستی کے ایک اشارے پر کھانا چھوڑنا، پانی چھوڑنا، ازدواجی تعلقات سے رک جانا اس بات کا اظہار ہے کہ انسان کے لیے وہ ہستی کتنی اہم اور کتنی بڑی ہے۔

چنانچہ ایک مومن جب روزہ رکھتا ہے تو وہ زبان حال سے اللہ تعالیٰ کو یہ پیغام دیتا ہے کہ مالک تیرے حکم پر میں نے اپنی ساری ضروریات چھوڑدیں۔ تیرا حکم تھا کھانا چھوڑدو، چھوڑدیا۔ تیرا حکم تھا پانی چھوڑ دو، چھوڑدیا۔ تیرا حکم تھا جائز تعلق چھوڑ دو، وہ بھی چھوڑ دیا۔ پروردگار اس سے بڑھ کر تیری کبریائی میں اور کیسے بیان کروں۔ میں اور کس طرح اعلان کروں کہ میرے وجود پر تیرا ہی راج ہے اور میرے دل میں تیری ہی بڑائی ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ اللہ کی بڑائی کی اس اسپرٹ کے ساتھ روزہ رکھا جائے تو پھر انسان کبھی خدا کا نافرمان نہیں ہوسکتا۔ پھر تقویٰ انسان کا راستہ اور جنت اس کی منزل بن جاتی ہے۔

چاندرات، قمری مہینہ اور رمضان

اسلامی عبادات قمری مہینوں کے ساتھ متعلق کی گئی ہیں۔ اس کی سب سے نمایاں مثال روزے کا رمضان کے مہینے میں فرض ہونا ہے۔ قمری مہینہ تیس یا انتیس دن کا ہوتا ہے جس کا آغاز نئے چاند (ہلال) کے نظر آنے سے ہوتا ہے۔ ہمارے ملک میں بد قسمتی سے رویت ہلال ایک اختلاف اور جھگڑے کا عنوان بن گیا ہے۔ اس جھگڑے میں وہ حقیقت ہمیشہ نگاہوں سے اوجھل ہو جاتی ہے جس کی بنا پر عبادات کے لیے نئے چاند پر منحصر قمری مہینے کا انتخاب کیا گیا ہے۔

قمری مہینوں کی پہلی اور سب سے اہم خصوصیت یہ ہے کہ یہ شمسی مہینوں کے برعکس مختلف موسموں میں آتے ہیں۔ یعنی شمسی مہینے جولائی میں ہمیشہ گرمی ہوتی ہے، مگر قمری مہینہ رمضان گرمی، سردی خزاں اور بہار ہر موسم میں آتا ہے۔ یہ چکر کم و بیش بتیس شمسی سالوں میں پورا ہوتا ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ اس برس اگر جولائی میں روزے آرہے ہیں تو یہ واقعہ بتیس تینتیس برس پہلے 1980 میں بھی رونما ہو چکا ہے۔ جبکہ سن 1996 میں روزے جنوری کی سردیوں میں، سن 1988 میں موسم بہار اور سن 2005 میں موسم خزاں میں بھی آچکے ہیں۔

روزے کی عبادت کو قمری مہینوں کے ذریعے سے مختلف موسموں میں رکھنے کی حکمت یہ ہے کہ لوگ روزہ رکھ کر مختلف احوال سے گزریں۔ سخت سردی کی بھوک اور حرارت کی کمی، سخت گرمی کی پیاس اور طویل روزے، خزاں کی گلا سکھا دینے والی خشک ہوا اور بہار کا خوشگوار موسم انہیں یاددلاتا رہے کہ زندگی میں اچھے برے حالات کے سرد و گرم اور بہار و خزاں تو آتے رہیں گے مگر بندہ مومن کو ان سے بے نیاز ہو کر ہر حال میں بندگی اور اطاعت کی زندگی گزارنی ہے۔

موسموں کے اختلاف کے علاوہ قمری مہینے کی ایک بڑی اہم خصوصیت اس کا دنیا میں انسانی زندگی کی تعبیر ہونا ہے۔ قمری مہینہ چاند کے اعتبار سے تین حصوں میں تقسیم ہوتا ہے۔ پہلا حصہ نئے چاند سے شروع ہوتا ہے اور دس راتوں تک جاتا ہے جن میں چاند بتدریج بڑھتا ہے۔ مگر ان دس ایام میں رات کی تاریکی چاند پر غلبہ پائے رکھتی ہے۔ اگلے دس ایام گویا چاند کی حکمرانی کے ایام ہوتے ہیں جن میں روشن چاند بدر کامل بنتا ہے اور دس دنوں تک اپنے نورانی وجود سے راتوں کو روشن کیے رکھتا ہے۔ اگلے دس یا نو دن چاند کے زوال کے ہوتے ہیں جن میں چاند بتدریج گھٹنے لگتا ہے۔ مہینہ کے آخر تک چاند اپنا وجود کھو دیتا ہے اور وادی عدم میں اتر کر اپنے پیچھے اماوس کی شب تاریک چھوڑ جاتا ہے۔ پھر ایک غیر یقینی کا تاریک سایہ چھا جاتا ہے۔ خبر نہیں کہ اس تاریکی کے پردے سے نیا چاند انتیس دن کے بعد طلوع ہو گا یا تیس کے۔
دیکھا جائے تو یہ انسانی زندگی کی مکمل تعبیر ہے۔ انسانی زندگی بھی چاند کی زندگی کی طرح تین حصوں میں تقسیم ہے۔ پہلا حصہ ارتقا کا ہے جو پیدائش، شیر خوارگی، بچپنے سے گزر کر لڑکپن تک جاتا ہے۔ دوسرا حصہ جو نوجوانی، جوانی اور پختہ عمر سے عبارت ہے انسان کی قوت، جوش اور صلاحیت کا مکمل آئینہ دار ہوتا ہے۔ جبکہ تیسرا حصہ زوال کا ہے جو ادھیڑ عمر، بڑھاپے اور بزرگی کی ان آخری کیفیات سے عبارت ہے جو ضعف و ناتوانی کا انتہائی نشان ہوتی ہیں۔ پھر جس طرح مہینے کا انتیس یا تیس کا ہونا غیر یقینی کیفیت سے دوچار رکھتا ہے اسی طرح بزرگی کی دہلیز سے قبر کا دروازہ کب کھلے یہ بھی ایک غیر یقینی معاملہ ہوتا ہے۔
انسان اگر قمری مہینے کی اس اسپرٹ کو پالیں تو بلاشبہ روزے سے اچھی اس بات کی کوئی یاددہانی نہیں کہ زندگی کی نقدی کس طرح ہر روز ہاتھوں سے غیر محسوس طریقے پر پھسل رہی ہے۔ یہ سمجھ آجائے تو ہم رمضان میں روزے کے ایام گننے کے بجائے یہ گنا کریں گے کہ ہماری زندگی کا پہلا حصہ گزرا ہے، دوسرا

گزر رہا ہے یا پھر ہم آخری مرحلہ حیات میں ہیں۔ پھر ہم یہ جان لیں گے کہ جس طرح روزے کے بقیہ ایام گزر جاتے ہیں، جلد ہی میری زندگی کے بقیہ ایام بھی گزر جائیں گے۔ پھر ایک روز جو نجانے انتیس ہو یا تیس؛ آخرت کی زندگی کا وہ چاند طلوع ہو گا جو کبھی ختم نہ ہو گا۔ یوں ہم رمضان کے دنوں میں روزہ کے دن گن کر خوشی منانے کے بجائے زندگی کے گزرے دنوں کا احتساب کیا کریں گے۔

یہ سوچ اگر عام ہو جائے تو رمضان اور عید کے نئے چاند پر جھگڑنے کی نفسیات ختم ہو جائے گی۔ پھر اہم بات یہ ہو گی کہ رمضان کے آغاز سے ہم روز بیٹھ کر اپنا احتساب کریں گے۔ پہلے دس دنوں میں ہم دیکھیں گے کہ کہیں ہم نے اپنے بچپن اور لڑکپن کو کھیل کود میں ضائع تو نہیں کر دیا۔ دوسرے عشرے میں جائزہ لیں گے کہ کہیں جوانی کی قوت اور پختگی کی صلاحیت کو ہم نے شہوت پرستی اور ہوس مال کی نظر تو نہیں کر دیا۔ آخری دس دن میں ہم جائزہ لیں گے کہ کہیں ہمارا بڑھاپا مال و اولاد اور اسٹیٹس کے معاملات کی نظر تو نہیں ہو رہا۔ پھر زندگی کے جس حصے میں ہم ہوں گے ہم اپنے معاملات کو بہتر بنانے کی کوشش کریں گے۔ ہم دنیا کے بجائے آخرت کو اپنا مقصد بنا لیں گے۔ تاکہ آخرت کی زندگی کا نیا چاند طلوع ہو تو ہم جنت کی روشن راتیں دیکھیں۔ جہنم کی اماوس زدہ تاریک راتیں ہمارا مقدر نہ بن جائیں۔

خدا کا ہاتھ

اس کے ہاتھ نے اپنی ماں کے پلو کو تھام رکھا تھا۔ چھوٹا سا ہاتھ۔۔۔ کمزور سا ہاتھ۔۔۔ معصوم سا ہاتھ۔ یہ بچہ سال بھر کا بھی نہیں ہو گا۔ باپ آگے بیٹھا موٹر بائیک چلا رہا تھا اور اس کے پیچھے ماں اپنے بچے کو گود میں لیے بیٹھی تھی۔ اس نے ایک ہاتھ سے موٹر بائیک کی سیٹ کو اور دوسرے ہاتھ سے بچے کو پکڑ رکھا تھا۔ اس پورے منظر میں میرے لیے کوئی نئی بات نہ تھی سوائے اس چھوٹے سے ہاتھ کے۔۔۔ جس نے ماں کے پلو کو پکڑ رکھا تھا۔

میں نے سوچا کہ اگر اس بچے کی ماں اپنے ہاتھ کی گرفت برقرار نہ رکھ سکے تو کیا یہ چھوٹا سا ہاتھ، یہ معصوم سی مٹھی، اتنی طاقتور ہے کہ خود کو گرنے سے روک سکے۔ میرے ذہن نے کہا، "سوال ہی پیدا نہیں ہوتا، یہ بچہ نہیں بلکہ ماں ہے جو اسے سنبھالے ہوئے ہے"۔

میں اس سے قبل گرمی کے روزوں کی مشقت اور اس کے اجر پر غور کر رہا تھا، مگر اس منظر کو دیکھ کر مجھے اندازہ ہوا کہ جہنم کے گڑھے میں ہمیں گرنے سے اگر کوئی بچا سکتا ہے تو وہ ہماری عبادت کا کمزور ہاتھ نہیں بلکہ پروردگار کی رحمت کا طاقتور ہاتھ ہے۔ جنت کی منزل تک ہماری رسائی ہو ہی نہیں سکتی اگر مالک دو جہاں کا شفقت بھرا ہاتھ ہمیں نہ سنبھالے ہوئے ہو۔ حقیقت یہ ہے کہ ہماری ساری مذہبیت اور عبادات بھی دراصل خدا کی دی ہوئی توفیق کی مرہون منت ہیں۔ اسی نے ہماری ساری دینداری کا بھرم رکھا ہوا ہے۔ وہ اگر ہم پر مطالبات اور آزمائشوں کے بوجھ ڈال دے تو ہماری ساری دینداری کی پول کھل جائے گی، (محمد 47:37)۔

میں نے سر اٹھایا اور آسمان کی طرف دیکھ کر کہا۔ روزہ داروں نے روزہ کی مشقت اٹھا کر تیرا قرب چاہا ہے۔ لیکن یہ مشقت اس بچے کے کمزور ہاتھ سے زیادہ نہیں جس نے اپنی ماں کا دامن پکڑ رکھا تھا۔ ماں کے ہاتھ کو بچے کا سہارا بنانے والے، اپنے طاقتور ہاتھ کو آگے بڑھا دے۔ ورنہ دنیا کی کوئی طاقت ان بندوں کو جہنم سے نجات اور جنت کی کامیابی کا حقدار نہیں بنا سکتی۔

گھوڑا، اژدھا اور رمضان

قرآنِ کریم سے معلوم ہوتا ہے کہ انسانی وجود کے دو بنیادی حصے ہیں۔ ایک اس کا روحانی وجود جس میں خیر و شر اور خدا و آخرت کے تصورات ودیعت کیے گئے ہیں۔ دوسرا انسان کا حیوانی وجود جو انسان کے مادی جسم، شکل و صورت اور جبلی تقاضوں پر مشتمل ہے۔ یہی حیوانی وجود اور اس کے تقاضے ہیں، جن کے لیے عام زبان میں نفس کی اصطلاح استعمال ہوتی ہے۔

اللہ تعالیٰ نے اس نفس کو ایک گھوڑے کی طرح بنایا ہے جو انسان کے لیے ہر طرح کی مشقت اٹھاتا ہے۔ جس طرح گھوڑا جنگ و امن ہر طرح کے حالات میں انسانوں کا سب سے کار آمد اور وفادار ساتھی رہا ہے، اسی طرح یہ نفس بھی انسان کی سواری ہے، جس کے ذریعے سے وہ مادی دنیا میں ہر طرح کی سعی و جہد کرتا ہے۔ تاہم یہ نفس اکثر حالات میں گھوڑا نہیں رہتا بلکہ ایک اژدھے میں تبدیل ہو جاتا ہے۔

یہ اس وقت ہوتا ہے جب شیطان، جسے قدیم صحیفوں میں سانپ کہا گیا ہے، اپنا زہر اس میں منتقل کرتا ہے۔ ضروریات، خواہشات، جذبات اور شہوات کی وہ وادیاں جو نفس کے گھوڑے کی جولاں گاہ ہیں، ابلیسی سانپ کی پناہ گاہ بھی ہوتی ہیں۔ وہیں یہ اپنا نافرمانی کا زہر نفس میں انڈیلتا ہے، جس کے بعد اس گھوڑے کی ٹانگیں ختم ہو جاتی ہیں، اور اس کا دھڑ ایک اژدھے میں بدل جاتا ہے۔ یہ اژدھا شیطان سے بڑھ کر انسان کو نقصان پہنچاتا ہے اور ایک وقت آتا ہے کہ یہ انسان کے روحانی وجود کو سالم نگل جاتا ہے۔ رمضان کا مہینہ اسی اژدھے کو دوبارہ گھوڑا بنانے کا مہینہ ہے۔

اس مہینے میں اللہ تعالیٰ ایک طرف تو ابلیس کے تمام سانپوں کو بند کر دیتے ہیں اور دوسری طرف نفس پر زبردست مشقتیں ڈال کر اس کا آپریشن کیا جاتا ہے۔ اس گھوڑے کی ضروریات، خواہشات، جذبات اور شہوات پر پابندی لگا دی جاتی ہے۔ جس کے بعد یہ اژدھا دوبارہ گھوڑا بن جاتا ہے۔

تاہم بہت سے انسان اس آپریشن کی اہمیت کو نہیں سمجھتے۔ وہ روزے کی رسمی پابندیوں کو قبول تو کر لیتے ہیں، مگر دل سے بدلنا نہیں چاہتے۔ ایسے لوگوں کا نفس رمضان سے پہلے بھی اژدھا بنا رہتا ہے اور رمضان کے بعد بھی اس کی طاقت میں کوئی کمی نہیں آتی۔ قیامت کے دن ایسے اژدھوں کا مقام جنت کی پر فضا وادی نہیں ہو گی، بلکہ انہیں ان کے آقا ابلیس کے ساتھ جہنم میں پھینک دیا جائے گا۔

رمضان کو پانے والے

رمضان کا مہینہ جیسے جیسے قریب آتا ہے لوگوں میں مختلف نوعیت کے جذبات پیدا ہوتے ہیں۔ ایک لوگ وہ ہوتے ہیں جنہیں رمضان کے آنے اور جانے سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ وہ نہ روزہ رکھتے ہیں، نہ دیگر عبادات کے جھمیلے میں پڑتے ہیں۔ گھر کے کسی فرد نے روزہ رکھ لیا ہو تو وہ اس کے ساتھ افطاری میں شریک ہو جاتے ہیں۔ باہر بھی افطار پارٹی میں شرکت کا موقع ملا تو سماجی پہلو سے یا پھر افطار سے اپنا حصہ وصول کرنے پہنچ جاتے ہیں۔ البتہ عید یہ لوگ بہت اہتمام سے مناتے ہیں۔ عید کی رات اگر خرمستیوں میں کالی نہ کی ہو تو عید کی نماز پڑھ کر مسجد میں سالانہ حاضری کی رسم بھی پوری کر لیتے ہیں۔

دوسری قسم کے لوگ وہ ہوتے ہیں جو رمضان میں چار وناچار روزہ رکھتے ہیں۔ مگر وہ سمجھتے ہیں کہ مشقت اور تنگی کا مہینہ آرہا ہے۔ سخت گرمی میں پیاس کی مشقت اور بھوک کی تکلیف جھیلنی پڑے گی۔ راتوں کی نیند خراب ہو گی۔ کاروبار حیات متاثر اور معمولات زندگی درہم برہم ہو جائیں گے۔ ایسے لوگ رمضان کا ایک ایک دن گن کر مہینہ پورا کرتے ہیں۔ آخر کار اس مہینے کے خاتمے پر ان کی یہ سالانہ مشقت ختم ہو جاتی ہے۔ وہ جیسے رمضان سے پہلے تھے ویسے ہی رمضان کے بعد رہتے ہیں۔

ایک تیسری قسم کے لوگ وہ ہوتے ہیں جو رمضان کے روزے ذوق و شوق سے رکھتے ہیں۔ تلاوت قرآن، نوافل اور دیگر عبادات کا بھی اہتمام کرتے ہیں۔ روزہ کی مشقت تو خیر انہیں بھی محسوس ہوتی ہے، مگر وہ اسے حوصلے سے برداشت کرتے ہیں۔ وہ امید رکھتے ہیں کہ اس مشقت کے بدلے میں جو اجر انہیں ملے گا اس کے مقابلے میں یہ تکلیف کچھ بھی نہیں۔ امید ہے کہ ایسے صالحین اللہ سے اپنی محنت کا بہترین اجر پائیں گے۔

چوتھی قسم کے لوگ وہ ہوتے ہیں جو رمضان کے آنے سے قبل ہی رمضان کے انتظار میں ڈھل جاتے ہیں۔ وہ رجب اور شعبان کے مہینوں کا ایک ایک دن گن گن کر گزارتے ہیں۔ ان کی عید اس دن ہی سے شروع ہو جاتی

ہے جب رمضان کا چاند طلوع ہوتا ہے۔ تیسرے گروہ کی طرح یہ لوگ بھی روزہ کی مشقت خوش دلی سے جھیلتے اور عبادات میں سرگرمی سے حصہ لیتے ہیں، مگر ان کا اصل امتیاز یہ ہوتا ہے کہ رمضان کا مہینہ ان کے لیے اللہ تعالیٰ سے ملاقات کا مہینہ بن جاتا ہے۔ روزہ کی ایک ایک مشقت ان کے لیے اللہ تعالیٰ کی مہربانیوں کا تعارف بن جاتی ہے۔

جب پیاس کی شدت سے حلق میں کانٹے پڑنے لگتے ہیں تو وہ اپنے رب کو پکارتے ہیں کہ مالک ایک ایسی کائنات میں جہاں پانی کا ایک قطرہ نہیں تونے اس کرہ ارض کو پانی کا گھوارہ بنادیا۔ مالک تو ساری زندگی ہمیں پانی پلاتا ہے مگر ہم نہ جان سکے کہ یہ پانی کیسی نعمت ہے۔ آج جب حلق میں کانٹے پڑے تو معلوم ہوا کہ یہ بے ذائقہ مشروب کائنات کے ہر ذائقے سے بڑھ کر ہے۔ ہم اس نعمت کے لیے تیرے شکر گزار ہیں۔

جب بھوک سے ان کا وجود نڈھال ہوتا ہے تو کہتے ہیں کہ آقا تو سورج، بادل، ہوا، سمندر، پہاڑ، دریا اور زمین سب کو ملا کر ہمارے لیے غذا فراہم کرتا ہے۔ جس دنیا میں ہزاروں قسم کے حیوانات کے لیے صرف بے ذائقہ گھاس اگتی ہے وہاں تونے ایک انسان کے لیے ہزارہا قسم کے ذائقے تخلیق کر دیے۔ ہم دل کی گہرائیوں سے تیری عظمت و عنایت کے معترف ہیں۔

غرض روزہ کی ہر مشقت اور بے آرامی ان کے لیے معرفت الٰہی کے نئے دروازے کھول دیتی ہے۔ کھانے پینے کی محرومی ان پر یہ واضح کر دیتی ہے کہ ان جیسی لاکھوں نعمتوں میں وہ ہر لمحے جی رہے ہیں۔ اس احساس سے ان کی آنکھوں سے آنسو رواں ہو جاتے ہیں۔ ان کا سینہ خدائی احساسات کی تجلیوں سے جگمگا اٹھتا ہے۔ ان کی راتیں ذکر الٰہی سے منور ہو جاتی ہیں۔ ان کا وجود اس خدائی جنت کے لیے سراپا طلب بن جاتا ہے جہاں کوئی بھوک ہوگی نہ پیاس۔ جہاں ہر نعمت بے روک ٹوک اور بے حد و حساب ملا کرے گی۔ جہاں سے وہ نکلنا چاہیں گے اور نہ کوئی انہیں نکالے گا۔

وہ اس جہنم کے تصور سے لرز جاتے ہیں جہاں محرومی کی ہر ممکنہ شکل جمع کر دی جائے گی۔ جہاں خدا کے مجرم، سرکش اور غافل ابد تک خود پر پچھتاووں کی سنگ باری کرتے رہیں گے کہ کیسا عظیم موقع انہوں نے گنوا دیا۔ جہاں وہ ہمیشہ ندامت کے اشکوں کے سیلاب بہاتے رہیں گے کہ انہوں نے کیسے مہربان رب کو پایا اور کس بے دردی سے اسے بھلا دیا۔

یہ اہل ایمان روزہ کی حالت میں اس جہنم سے اپنے رب کی پناہ مانگتے رہتے ہیں۔ وہ اپنی خطاؤں پر شرمسار رہتے ہیں۔ وہ سراپا احتساب بن کر اپنی سیرت و کردار کا جائزہ لیتے ہیں۔ وہ عمل صالح کی ہر شکل کو اپنے وجود کا حصہ بنانے کا عزم کرتے ہیں۔ وہ معصیت کی ہر قسم کو زہریلا سانپ سمجھ کر اس سے بھاگنے کی کوشش کرتے ہیں۔

یہی وہ لوگ ہیں جنہوں نے رمضان میں اپنے رب سے ملاقات کرلی۔ یہی وہ لوگ ہیں جنہوں نے جان لیا کہ اللہ معبود حقیقی بھی ہے اور منعم حقیقی بھی۔

کہ ہے ذات واحد عبادت کے لائق

زبان اور دل کی شہادت کے لائق

اسی کے فرماں اطاعت کے لائق

اسی کی ہے سرکار خدمت کے لائق

لگاؤ تو لو اس سے اپنی لگاؤ

جھکاؤ تو سر اس کے آگے جھکاؤ

خدا کو اسی طرح پانے والے در حقیقت رمضان کو پانے والے ہیں۔ یہی مقربین ہیں۔ دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی۔

روزہ تنہائی کی عبادت

انسان جب نماز اور حج ادا کرتا ہے تو ہر شخص جان لیتا ہے کہ بندہ کیا کر رہا ہے۔ زکوٰۃ میں بھی مال لینے والا بہر حال جان ہی لیتا ہے کہ آپ انفاق کر رہے ہیں، مگر روزہ ایک ایسی عبادت ہے جو خدا کے سوا کوئی نہیں جان سکتا۔ خدا کے لیے یہی خلوص روزے کو وہ عظیم عبادت بناتا ہے جس کے متعلق حدیث میں کہا گیا ہے کہ روزہ میرے لیے ہے اور اس کا بدلہ میں ہی دوں گا، (بخاری 1894)۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت طیبہ سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ مہینہ زیادہ سے زیادہ عبادت کرنے اور خدا سے جڑنے کا مہینہ ہے۔ حضور نے اس مہینے میں زیادہ سے زیادہ عبادت کرنے کی تلقین کی ہے۔ آپ اس ماہِ مقدسہ کے آخری عشرے میں اپنی مسجد میں معتکف ہو جاتے اور دنیا سے کٹ کر اپنے شب و روز عبادت کے لیے وقف کر دیتے تھے۔

بد قسمتی سے آج مسلمانوں نے رمضان کے مہینے کو موج میلے کا مہینہ بنالیا ہے۔ عالم عرب ہو یا عجم افطار پارٹیاں، شاپنگ اور پکوان کی کثرت اس مہینے کی پہچان ہے۔ حد تو یہ ہے کہ اجتماعی شب بیداریاں اور اجتماعی اعتکاف کے پروگرام بھی اب عام نظر آتے ہیں۔ حالانکہ یہ عبادات سر تا سر تنہائی کا تقاضا کرتی ہیں۔ اسی طرح درس و تدریس کے پروگراموں کے لیے بھی اس ماہ کا انتخاب کیا جاتا ہے۔ اس کا سبب یہ ہے کہ لوگ اسی مہینے میں مسجد کی طرف متوجہ ہوتے ہیں۔

تاہم اہل علم کی یہ ذمہ داری ہے کہ رمضان کے معاملے میں لوگوں پر بار بار یہ بات واضح کرتے رہیں کہ یہ مہینہ تنہائی کی عبادت کا ہے۔ ہاں سماجی تعلقات کے جو تقاضے ہیں وہ بہر حال نبھائے جائیں گے کہ احباب سے کٹ کر بھی نہیں رہا جا سکتا۔ مگر یہ بات یاد رہنا چاہیے کہ یہ مہینہ اصلاً راتوں کو جاگ کر رب کی قربت تلاش کرنے کا مہینہ ہے۔ یہ اپنے ایمان کی از سر نو دریافت اور اپنے اعمال کے احتساب کا مہینہ ہے۔ یہ اجتماعی عبادت کا نہیں انفرادی عبادت کا مہینہ ہے۔

سوشل میڈیا اور تیس اور بیس کی گنتی

ایک زمانہ تھا کہ لوگ مجلسوں، کھیل کے میدانوں، ٹی وی، فلموں، ڈراموں اور دیگر کھیل تماشوں میں خود کو مصروف رکھ کر روزے کا "مشکل وقت" کاٹا کرتا تھے، اب اس لسٹ میں فیس بک اور سوشل میڈیا مزید شامل ہو گئے ہیں۔

ایسے میں اس بات کی یاددہانی کی بہت ضرورت ہے کہ رمضان رب العالمین سے جڑنے کا مہینہ ہے۔ یہ اپنا احتساب کرنے کا مہینہ ہے۔ آپ فیس بک اور ٹی وی پر اچھے لکھنے اور بولنے والوں سے ضرور استفادہ کریں۔ مگر وقت کے زیاں سے بچیں۔ یاد رکھیے کہ یہ مہینہ بولنے کے بجائے چپ رہ کر اپنا احتساب کرنے اور ذکر و فکر اور عبادت سے اپنی روحانیت کو بڑھانے کا مہینہ ہے۔ یہ خدا کے فیضان کو پانے کا مہینہ ہے۔ یہ خدائی فیضان سوشل میڈیا کے کسی لایعنی مباحثے میں نہیں ملتا۔ یہ فیضان ذکر و فکر کے ذہنی اعتکاف، خدا کے سامنے گڑگڑانے، لمحہ لمحہ اسے یاد کرنے اور اس کی نعمتوں کے اعتراف سے ملتا ہے۔

یہ مہینہ تیس روزے اور بیس تراویح کی گنتی پوری کر کے باقی وقت ٹی وی اور فیس بک کو دینے کا نہیں، بلکہ کوانٹٹی سے زیادہ کوالٹی پیدا کرنے کا مہینہ ہے۔ کوالٹی مخلوق سے کٹ کر خالق سے جڑنے سے پیدا ہوتی ہے۔ یہ قرآن مجید سے اتنا مضبوط ذہنی تعلق پیدا کرنے سے ہوتی ہے کہ انسان جنت کو اپنی چشم تصور سے دیکھ کر اس کے لیے سراپا فریاد بن جائے۔ جہنم کی آگ کو اپنے فکر و خیال کے آئینے میں بھڑکتا دیکھ کر اس سے نجات کو اپنا اصل مسئلہ بنا لے۔ سرکار دوعالم کے اخلاق عالیہ کو قرآن کے صفحات پر زندہ دیکھ کر انھیں اپنا رول ماڈل بنا لے۔

اس لیے خدارا! اس ماہِ مقدسہ کو ضائع نہ کریں۔ کچھ عرصہ کے لیے فیس بک کے شوغل اور ٹی وی پروگراموں کے ہنگامے سے نکل کر ذکر و فکر پر مبنی ذہنی اعتکاف کی تنہائی میں چلے جائیں۔ قرآن مجید اور اپنے رب کے ساتھ فکری اعتکاف کر لیں۔ اس کے حیرت انگیز نتائج آپ دیکھیں گے۔ ورنہ پھر تیس اور بیس کی گنتی کے سوا کچھ ہاتھ نہیں آئے گا۔

تقویٰ، شکر اور رمضان

قرآن مجید میں سورہ بقرہ کی آیات 183 تا187 میں روزے کا قانون تفصیل سے بیان ہوا ہے۔ ان آیات میں دو بڑی اہم باتیں بیان کی گئی ہیں۔ ایک یہ کہ تم روزہ رکھ کر متقی یعنی اللہ سے ڈر کر اس کی نافرمانی سے رکنے والے بن جاؤ اور دوسرے یہ کہ تم شکر گزار بنو۔

ان میں سے پہلی چیز یعنی تقویٰ روزہ کا مقصد اور دوسری چیز یعنی شکر گزاری روزے کی حقیقت ہے۔ مقصد اور حقیقت کا فرق یہ ہوتا ہے کہ مقصد کسی عمل کو کرنے کے بعد پایا جاتا ہے جبکہ حقیقت سے مراد کوئی عمل کرتے ہوئے ایک ایسی چیز کی سچائی کو واضح کرنا ہوتا ہے جو اس سے پہلے اس طرح واضح نہیں ہوتی۔

اللہ تعالیٰ روزے میں یہ دونوں چیزیں بھوک پیاس جیسی بنیادی ضرورتوں کی تسکین پر پابندی لگا کر حاصل کرتے ہیں۔ کسی انسان کے لیے کھانا پینا چھوڑنا ایک بہت مشکل کام ہوتا ہے۔ مگر روزے میں ایک بندہ مومن یہ کام اللہ کے حکم پر کر دیتا ہے۔ تیس دن تک انسان اگر یہ کام اپنے پورے شعور کے ساتھ کرے تو اسے معلوم ہو جاتا ہے کہ خدا کے حکم پر وہ کھانا پینا چھوڑ سکتا ہے تو گناہ و نافرمانی چھوڑنا تو اس سے بہت چھوٹی بات ہے۔ یہ نافرمانی چھوڑنا ہی وہ تقویٰ ہے جسے رمضان کا مقصد قرار دیا گیا ہے۔

روزے میں غذا اور پانی سے محرومی انسان کو یہ احساس دلاتی ہے کہ زندگی کی بنیادی نعمتیں کس فراخی کے ساتھ اسے میسر ہیں۔ جب جی چاہے وہ کھاتا ہے اور جب دل چاہے وہ پیتا ہے۔ یہی معاملہ ہر دوسری بنیادی نعمت کا ہے۔ مگر انسان ان بنیادی نعمتوں کو بھول کر بہت چھوٹی چیزوں کی محرومی پر شور مچاتا ہے۔ وہ مایوس اور ناشکرا بن جاتا ہے۔ مگر طویل روزے کی بھوک اور گرمی کی پیاس اسے اس حقیقت پر متنبہ کرتی ہے کہ زندگی کی ہر بنیادی نعمت اس کے پاس ہے۔ یوں انسان شعور رکھنے والا ہو تو روزہ رکھ کر وہ واقعی شکر کرنے والا بن جاتا ہے۔

رمضان اور توبہ

رمضان میں لوگ عبادت کی کثرت کیا کرتے ہیں۔ یہ ایک اچھی بات ہے۔ مگر رمضان کا حقیقی شعور جس شخص کو حاصل ہو گا وہ کثرتِ عبادت سے پہلے کثرتِ استغفار اور توبہ سے اپنے عمل کا آغاز کرے گا۔ کیونکہ توبہ ہی نیکی کی زندگی کا درست نقطۂ آغاز ہے۔

روزے کا قانون یہ ہے کہ انسان صبحِ صادق سے لے کر غروبِ آفتاب تک کھانا پینا چھوڑ دے اور تعلقِ زن و شو سے باز رہے۔ یہ ایک انتہائی سخت پابندی ہے۔ بد قسمتی سے لوگ اس پابندی کو اختیار تو کرتے ہیں، مگر اس کی اصل روح سے ناواقف رہتے ہیں۔ اس قانون کی اصل روح یہ ہے کہ انسان اپنے آپ کو اپنے رب کی اطاعت کا اتنا پابند بنالے کہ وہ تعمیلِ ارشاد میں اپنی بنیادی ضروریات تک کو چھوڑ ڈالے۔

روزے کی حالت میں جب جب بھوک اسے بے حال کرے اور وہ پھر بھی کھانے پینے کی چیزوں کی طرف نظر اٹھا کر نہ دیکھے۔ پیاس کی شدت گلے میں کانٹے ڈالے تب بھی وہ پانی اور مشروبات کی طرف مڑ کر نہ دیکھے تو انسان کو سوچنا چاہیے کہ وہ کیا کر رہا ہے اور کیوں کر رہا ہے؟ جب انسان اس شعور کے ساتھ روزہ رکھے گا تو اسے لازماً احساس ہو گا کہ اس نے رب کی رضا کی خاطر اتنے مشکل کام تو کر لیے۔ باقی جو کچھ وہ کہتا ہے، اس کی پابندی کرنا اس سے کہیں ہلکا اور آسان کام ہے۔ یہ احساس اسے آمادہ کرے گا کہ وہ اپنی زندگی کا جائزہ لے۔ یہ دیکھے کہ کن کن مواقع پر اس سے رب کی نافرمانی کا ارتکاب ہو رہا ہے۔ ان کو چھوڑنے کا عزم کرے۔ پھر سچے دل سے رب سے توبہ کرے اور اپنے گناہوں کی معافی مانگے۔

لوگ روزے میں کثرتِ عبادت کی طرف توجہ دیتے ہیں حالانکہ پہلے انھیں کثرتِ استغفار اور توبہ کی طرف توجہ دینی چاہیے۔ اس کے بعد ہی کثرتِ عبادت انسان کو کچھ فائدہ دیتی ہے۔

زکوٰۃ اور نذر

ہمارے ہاں زکوٰۃ کو ایک بہت اہم عبادت کے طور پر ادا کیا جاتا ہے۔ بہت سے لوگ جو نماز نہیں بھی پڑھتے، زکوٰۃ بڑی پابندی سے دیتے ہیں۔ تاہم ہمارے ہاں لوگ زکوٰۃ کو غریبوں کی مدد کا ایک ذریعہ سمجھتے ہیں۔ انہیں نہیں معلوم کہ زکوٰۃ اصل میں کیا ہے اور کیوں ادا کی جاتی ہے۔ ہمارے ہاں چونکہ زکوٰۃ کی ادائیگی کے لیے رمضان کا مہینہ مقرر کر لیا گیا ہے، اس لیے مناسب محسوس ہوتا ہے کہ اس موقع پر زکوٰۃ کی حقیقت سے متعلق لوگوں کی کچھ رہنمائی کر دی جائے۔

زکوٰۃ اپنی حقیقت کے اعتبار سے نذر ہے۔ نذر کا مطلب یہ ہے کہ انسان اپنے مال کا ایک حصہ اپنے معبود کو راضی کرنے کے لیے بطور نذرانہ اس کے حضور پیش کر رہا ہے۔ قدیم زمانے میں جب شرک کا غلبہ تھا تو لوگ مندروں اور معبدوں میں جا کر اپنا مال مختلف شکلوں میں بتوں کی بھینٹ چڑھاتے تھے اور پھر یہ مال معبد کے خدام وہاں آنے والے زائرین کی ضروریات پر خرچ کرتے تھے۔

اسلام نے اس صورتحال کو تبدیل کیا۔ خدا کے حضور نذر کو زکوٰۃ کی مستقل عبادت کی شکل دے کر اسے نظم اجتماعی، غریبوں کی مدد اور ضرورت مندوں کے لیے خاص کر دیا۔ تاہم اس کے پیچھے جو روح اور جذبہ ہے وہ اسی طرح باقی ہے۔ آج بھی جب کوئی شخص زکوٰۃ ادا کرتا ہے تو وہ کسی انسان کو کچھ نہیں دے رہا ہوتا، بلکہ اپنا سر اور دل جھکا کر، اپنے دونوں ہاتھ پھیلا کر، لہجے میں عاجزی اور پستی پیدا کر کے دراصل اللہ تعالیٰ کو پیش کرتا ہے۔

البتہ جو شخص سر اٹھا کر، احسان جتلا کر، دبنگ لہجے کے ساتھ انسانوں کو زکوٰۃ دینے کی کوشش کرتا ہے، اس کا مال تو خرچ ہو جاتا ہے، مگر پروردگار عالم کی بارگاہ سے ایسے شخص کو سند قبولیت نہیں ملتی۔ اس لیے کہ خدا کی بارگاہ میں کوئی گردن اس قابل نہیں کہ بلند ہو کر شرف قبولیت حاصل کر سکے۔ اس کے حضور صرف عاجزی اور پستی قبول ہوتی ہے۔

زکوٰۃ دینے اور انفاق کرنے والوں کو سمجھ لینا چاہیے کہ وہ انسانوں کو دے رہے ہیں تو بلاشبہ سر اٹھا کر دیں، لیکن مال اگر رب کی نذر کر رہے ہیں تو سر جھکا ہوا رکھیں۔ یہی درِ قبولیت کا راستہ ہے۔

روزہ اور ارادہ

ہر روزے دار یہ بات اچھی طرح جانتا ہے کہ روزہ ایک مضبوط ارادے کے بغیر نہیں رکھا جا سکتا۔ روزے کی حالت میں انسان صبحِ صادق سے غروبِ آفتاب تک بھوکا پیاسا رہتا ہے۔ یہ کیفیت اپنے اندر بیک وقت تین چیزیں رکھتی ہے۔ پہلی یہ کہ انسان اپنی پسند اور خواہش کی چیزوں سے رک جاتا ہے۔ بھوک میں پیاز اور چٹنی بھی انسان کو لذیذ کھانوں سے بڑھ کر محسوس ہوتی ہیں، مگر روزے دار خود پر قابو رکھتا ہے اور ہر طرح کا کھانا اور مشروبات دسترس میں ہونے کے باوجود ان سے خود کو روکتا ہے۔ یہ مضبوط ارادے کے بغیر ممکن نہیں۔ دوسری چیز ضرورت ہے۔ کھانا پینا انسان کی بنیادی ضرورت ہے جس کے بغیر وہ نقاہت محسوس کرتا اور معمولات کی انجام دہی میں اسے مشکل پیش آنے لگتی ہے۔ مگر روزے دار اپنی قوتِ ارادی کو استعمال کر کے نقاہت جھیل کر بھی خود کو کھانے پینے سے دور رکھتا ہے۔ تیسری اور سب سے بڑی چیز وہ تکلیف اور اذیت ہے جو بھوک اور پیاس کو برداشت کرنے سے ہوتی ہے۔ مگر ایک دفعہ پھر روزے دار اپنے ارادے کی مضبوطی کی بنا پر موسم اور بھوک و پیاس کی مشقت اٹھا کر بھی ایک ماہ تک روزے کی عبادت پر ڈٹا رہتا ہے۔

بدقسمتی یہ ہے کہ ایک ماہ تک اپنی خواہشات، ضروریات اور سخت مشقتوں کے سامنے ڈٹ جانے والا یہ روزے دار رمضان کے فوراً بعد اپنی اس مضبوط قوت ارادی کو بھول جاتا ہے۔ وہ معمولی نوعیت کے گناہ، خواہشات، شیطانی ترغیبات کا شکار ہو جاتا ہے۔ تاہم اگر ایک روزے دار رمضان کے مہینے میں یہ فیصلہ کر لے کہ جس قوتِ ارادی کے بل پر اس نے روزے کی مشقت کو جھیلا ہے، اس کو استعمال کر کے وہ رمضان اور اس کے بعد ہر گناہ چھوڑ دے گا تو بلاشبہ انسان کی قوتِ ارادی کے لیے یہ ایک معمولی بات ہے۔ اگر رمضان میں یہ بات کسی کو حاصل ہو گئی تو بلاشبہ رمضان میں اس نے جنت کی کامیابی یقینی طور پر حاصل کر لی۔

اسی رمضان میں

''آپ میں سے ہر شخص کو روزہ رکھنے کا تجربہ تو ہوگا۔ یہ بتایئے کہ روزہ توڑنے کا تجربہ کتنے لوگوں کو ہوا ہے؟''۔عارف کا یہ سوال لوگوں کے لیے قطعاً غیر متوقع تھا۔ رمضان سے قبل احباب کے ساتھ عارف کی یہ آخری مجلس تھی جس میں لوگ رمضان کی فضیلت اور اہمیت کے بارے میں کچھ جاننا چاہتے تھے۔ مگر جو سوال ان سے پوچھا گیا تو اس کا رمضان کی فضیلت سے کوئی تعلق کسی کے سمجھ میں نہیں آیا۔

کچھ دیر خاموشی چھائی رہی پھر ایک صاحب نے اپنا ہاتھ بلند کیا اور بولے: ''جی مجھے ایک دفعہ رمضان میں روزہ توڑنا پڑا تھا۔'' عارف نے کہا:'' ذرا تفصیل سے بتایئے کہ کن حالات میں آپ کو روزہ توڑنا پڑا تھا۔'' اب ان صاحب نے تفصیل بیان کرنا شروع کی: ''دراصل اس روز میری طبعیت خراب تھی۔ مگر میں نے ہمت کر کے روزہ رکھ لیا۔ دن بھر میں نے ہمت کیے رکھی لیکن روزہ کھولنے سے آدھ گھنٹے قبل میری حالت غیر ہونے لگی۔ جب مجھے محسوس ہونے لگا کہ میں بے ہوش ہو جاؤں گا تو میں نے روزہ توڑ دیا۔''

''کیا عام حالت میں آپ روزہ توڑنے کا سوچ سکتے ہیں؟''، عارف نے ان صاحب سے سوال کیا تو انہوں نے فوراً جواب دیا:

''سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ جب تک دم میں دم ہے کوئی مسلمان اس کا تصور نہیں کر سکتا۔''

وہ صاحب خاموش ہوئے تو عارف نے حاضرین سے مخاطب ہو کر کہا: ''اگر آپ نے روزہ رکھ کر روزے کو نہیں سمجھا تو روزہ توڑنے کی کیفیت کا سن کر روزہ کو سمجھ لیں۔ روزہ ناقابل شکست عزم کے سہارے رکھا جاتا ہے۔ بھوک، پیاس، اذیت، گرمی، خواہش، وقت کی طوالت جیسی مضبوط چیزیں روزہ کی حالت میں انسانی عزم کے سامنے پسپا ہو جاتی ہیں۔ انسان ان چیزوں کے سامنے ڈٹا رہتا ہے یہاں تک کہ افطار کا وقت آ جائے یا پھر انسان کا جسم اس کا ساتھ چھوڑ دے۔''

عارف ایک لمحے کے لیے رکے اور پھر گویا ہوئے:

"یہی روزہ ہے۔ عزم انسانی کا تعارف۔ ناقابل شکست عزم جو ہر منہ زور جذبے کو نکیل ڈال کر انسان کے قدموں میں لاڈالتا ہے۔ یہ نہ ہو تو انسان جذبوں کا غلام بن کر شیطان کا بندہ بن جاتا ہے۔جب ہوس کی بھوک، حرص کی تونس، لالچ کی پیاس، حرام کی چاٹ، گناہ کی لذت، معصیت کا ذائقہ انسان کا روزہ اطاعت توڑنا چاہیں یا پھر انسان کی عمر بھر کی ریاضت بہکی ہوئی نظروں، ڈگمگاتے قدموں، بے لگام خواہشوں اور بدلحاظ رویوں کی نذر ہونے لگے تو یہ عزم انسانی ہی ہے جو ان اٹھتے طوفانوں کو روک دیتا ہے۔ شیطان خواہش کے پھندوں میں اسے الجھاتا ہے مگر بندہ مومن پورا زور لگا کر خود کو ہر گرفت سے چھڑا لے جاتا ہے۔ نفس جذبات کے جال میں اسے جکڑتا ہے، مگر مومن کا عزم؛ صبر کی تلوار سے ہر جال کو کاٹ ڈالتا ہے۔ عزم انسانی ہی روزہ کی اساس ہے جس کا مظاہرہ ہم میں سے ہر شخص روزہ رکھ کر کرتا ہے۔"

صاحب معرفت کی آواز تھی یا آسمان معرفت کی برستی برسات۔ حاضرین کے لیے یہ فیصلہ کرنا مشکل تھا۔ لوگ سنتے رہے اور وہ بولتے رہے۔

"جس شخص نے اپنے روزے سے اپنے اندر یہ عزم زندگی بھر کے لیے پیدا کر لیا، اس کا روزہ لاریب اسے جنت تک لے جائے گا۔ جس نے یہ نہیں کیا وہ اگلے رمضان کا انتظار کرے۔ کیونکہ اس نے ابھی تک روزہ رکھ کر اس چیز کو نہیں پایا جس کے لیے روزہ رکھوایا گیا تھا۔"

عارف کی بات ختم ہوگئی۔ مگر رمضان کا اصل درس حاضرین تک پہنچا گئی۔ انہیں روزہ رکھنا تھا۔ اسی رمضان میں۔ انہیں جنت کو پانا تھا۔ اسی رمضان میں۔

روزہ اور خدا کا قرب

قرآن مجید میں روزہ کے احکام سورہ بقرہ کی آیات 183 تا187 میں بیان کیے گئے ہیں۔ اسی ضمن میں آنے والی آیت 186 کا ترجمہ درج ذیل ہے:

"اور جب میرے بندے میرے بارے میں تم سے دریافت کریں تو (تو ان کو بتادو کہ) میں ان سے قریب ہی ہوں۔ پکارنے والا جب مجھے پکارتا ہے تو میں اس کی پکار کا جواب دیتا ہوں۔ لہٰذا ان کو چاہیے میرا حکم مانیں اور مجھ پر ایمان رکھیں تاکہ وہ صحیح راہ پر رہیں۔"

اس آیت میں جو باتیں بیان کی گئی ہیں ان کا براہ راست روزے سے کوئی تعلق محسوس نہیں ہوتا۔ یہ قرآن مجید میں کسی اور مقام پر بھی آسکتی تھیں۔ مگر اس آیت کو عین روزے سے متعلق احکام کے بیچ میں رکھ دیا گیا ہے۔ جس سے محسوس ہوتا ہے کہ اس آیات میں جو کچھ بیان گیا گیا ہے اس کا روزے سے براہ راست تعلق ہے۔

اس آیت کا مرکزی خیال یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں سے نہ صرف قریب ہیں بلکہ ان کی ہر پکار کا جواب بھی دیتے ہیں۔ نزول وحی کے وقت اس کی ایک شکل یہ تھی کہ عام لوگوں کے ذہن میں جب کوئی سوال پیدا ہوجاتا یا لوگ جب اپنا کوئی معاملہ لے کر اللہ کے رسول کے پاس آجاتے تو اللہ تعالیٰ وحی دے کر جبریل امین کو بھیجتے اور اپنے بندوں کی پکار کا علانیہ جواب دیتے۔ رمضان کی راتوں میں بیویوں کے پاس جانے سے لے کر بیویوں کو اپنی ماؤں جیسا قرار دینے کے حوالے سے درجنوں سوالات اور ان کے جواب قرآن مجید میں اسی پس منظر میں بیان ہوئے ہیں۔

لیکن روزوں کے حوالے سے اس آیت کا ایک خصوصی پیغام ہے۔ وہ یہ کہ رمضان کے مہینے میں روزے رکھ کر اور یوں اللہ کے حکم پر لبیک کہہ کر بندے اپنے ایمان کا جو ثبوت دیتے ہیں، اس کا ثمرہ خدا کے قرب کا تجربہ ہے۔ شرط یہ ہے کہ روزہ لوگوں کی دیکھا دیکھی اور رسم و عادت کے طور پر نہ رکھا گیا ہو بلکہ روزہ کے

قانون کے ساتھ یہ احساس بھی زندہ ہو کہ روزہ در حقیقت خدا کی بڑائی، اس کی اطاعت اور اس کی شکر گزاری کے اعلیٰ ترین جذبات کا مظہر ہے۔

جب انسان اس احساس کے ساتھ روزہ رکھتا ہے کہ اس نے خدا کو بڑا مان کر اپنے بنیادی جبلی تقاضوں کو روک لگادی ہے، جب انسان اس احساس کے ساتھ روزہ رکھتا ہے کہ وہ خدا کے لیے ناجائز ہی نہیں بلکہ جائز چیزوں کو بھی چھوڑنے کے لیے تیار ہے، جب انسان اس احساس کے ساتھ روزہ رکھتا ہے کہ تھوڑی دیر بھوک اور پیاس کا تجربہ کر کے اس نے خدا کی نعمتوں کی کثرت اور عظمت کو جان لیا ہے تو پھر انسان کی روحانیت لازماً بلند ہو جاتی ہے۔

یہ روحانیت انسان کو اپنے مالک کے قرب کا تجربہ کراتی ہے۔ پھر انسان پر وہ دعائیں الہام ہوتی ہیں جن کا قبول ہونا مقدر ہوتا ہے۔ انسان وہ ذکر کرتا ہے جسے خدا خود سنتا اور فرشتوں میں فخر سے بیان کرتا ہے۔ انسان کو اس سجدے، رکوع اور قیام کی توفیق ہوتی ہے جس کی لذت اسے سونے نہیں دیتی۔ ایسا انسان خدا کی معیت کا زندہ تجربہ کرتا ہے۔ اس طرح کہ وہ خدا کو پکارتا ہے اور اس کا دل یہ بتاتا ہے کہ اس کی بات سنی گئی ہے۔

مگر یہ بات دل کی دنیا تک محدود نہیں رہتی۔ رمضان گزر جاتے ہیں اور پھر ایک روز انسان کو معلوم ہوتا ہے کہ اس نے خدا کو جس بات کے لیے پکارا تھا وہ پوری ہوگئی۔ جو پوری نہیں ہوئی، اس سے بہتر نعمت اسے دے دی گئی۔ جو غم والم زندگی میں آیا اس کے ساتھ صبر وسکون بھی عطا ہو گیا۔ یہ اس بات کا زندہ ثبوت ہوتا ہے کہ خدا زندہ ہے۔ قریب ہے۔ مجیب ہے۔

رمضان خدا کے قرب اور اس کی موجودگی کو جاننے کا سب سے سنہری موقع ہوتا ہے۔ مگر یہ موقع انہی کو ملتا ہے جو رمضان میں اپنے ذہن کو دوسری ساری سرگرمیوں سے ہٹا کر خدا کی سمت لگادیں۔ باقی لوگوں کو بہت ہوا تو کچھ ثواب مل جائے گا۔ خدا کا قرب نہیں۔

اعتکاف

اعتکاف روزے کی عبادت کا منتہائے کمال ہے۔ رمضان میں روزہ رکھ کر انسان طلوع فجر سے غروب آفتاب تک کھانا پینا اور ازدواجی تعلق کو چھوڑ دیتا ہے۔ لیکن اعتکاف میں انسان آگے بڑھتا ہے اور ان پابندیوں کے ساتھ کئی اور پابندیاں خود پر عائد کرلیتا ہے۔ اب انسان اپنا گھر، گھر والے اور کاروبار سمیت ساری دنیوی دلچسپیاں چھوڑ کر کر مسجد میں آبیٹھتا ہے۔ پہلے بیوی سے تعلق زن و شو دن میں چھوڑا تھا اب رات میں بھی اس سب سے بڑی انسانی خواہش سے بے نیاز ہو جاتا ہے۔ پہلے لوگوں سے مل لیا جاتا تھا اور اب سب سے کٹ کر انسان خدا کا ہو رہتا ہے۔ یوں ایک بندہ مومن سوائے زندگی کی ایک نشانی یعنی رات کے وقت کھانے پینے کے علاوہ پوری دنیا اور دنیاداری کو چھوڑ کر اللہ کے گھر آبیٹھتا ہے اور اپنی صبح و شام اس کی یاد اور اس کی بندگی میں گزارنے لگتا ہے۔

اعتکاف کی پابندیاں انسان کو احساس دلاتی ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی عنایات اتنی زیادہ ہیں کہ حق یہی ہے کہ زندگی اسی طرح گزاری جائے۔ مگر یہ اس کریم کا کرم ہے کہ اس نے اس عبادت کو لازم کیا اور نہ انسان کو مجبور کیا کہ وہ عام حالات میں اللہ کی رضا کے لیے اپنا کھانا پینا، بیوی بچے، ازدواجی تعلق اور کاروبار، سماجی تعلقات اور اسباب دنیاداری کو چھوڑدے۔ اس کا مطالبہ بس اتنا ہے کہ ان سب میں رہو پر مجھے نہ بھولو۔

تم شادی کرو، گھر بناؤ، کاروبار اور ملازمت کرو، بیوی اور بچوں کی خوشیاں دیکھو، دنیا اور اس کی دلچسپیوں سے بھی بقدر ضرورت محظوظ ہو، مگر مجھے یاد رکھو۔ میری نافرمانی نہ کرو۔ اس لیے کہ یہ دنیا ہمیشہ رہنے کی جگہ نہیں ۔ جس طرح رمضان اور اعتکاف کے ایام گزر جاتے ہیں۔ یہ دنیا کی زندگی بھی گزر جائے۔ پھر تم لوٹ کر میرے ہی پاس آؤ گے۔ ایسا نہ ہو کہ اس روز تمھارے پاس سوائے پچھتاوے کے کچھ نہ ہو۔ یہی اعتکاف کا اصل درس ہے۔

شب قدر کو پانے والے

شب قدر عظیم فیصلوں کی رات ہے۔ قران مجید سے معلوم ہوتا ہے کہ اس رات میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے پر حکمت فیصلوں کو نفاذ کے لیے فرشتوں میں تقسیم کیا جاتا ہے۔ حضرت جبرائیل علیہ اسلام اور دیگر فرشتے ان فیصلوں کو لے کر زمین پر اترتے ہیں۔ ان فیصلوں میں سے ایک عظیم فیصلے کی مثال نزول قرآن کی ہے جو انسانیت پر اللہ تعالیٰ کا سب سے بڑا احسان ہے۔ نزول قرآن کے بعد اگلے ہزار مہینوں میں وہ تین عظیم نسلیں اٹھیں جنھوں نے انسانی تاریخ کا رخ ہمیشہ کے لیے بدل دیا۔ یہ رات طلوع فجر تک سلامتی کی رات ہے۔

شب قدر کی اس حیثیت کو جاننے کے بعد انسان جب اس رات میں عبادت کے لیے کھڑا ہوتا ہے تو دراصل اس حقیقت کو پالیتا ہے کہ یہ نظام کائنات ایک عظیم ہستی چلارہی ہے جو قادر مطلق اور کریم مطلق ہے۔ یہ کائنات کسی بخت و اتفاق کا نتیجہ نہیں جسے حوادث کی زنجیر کسی نامعلوم منزل کی طرف کھینچے چلی جارہی ہے۔ دہکتے ستاروں اور یخ بستہ خلاؤں کا مجموعہ یہ کائنات اور اس میں اعتدال و توازن کا مجموعہ یہ زمین ایک خدائے بزرگ و برتر کی صناعی کا نمونہ ہے۔

وہ بنانے والا اسے بنا کر کہیں فارغ نہیں بیٹھا بلکہ عرش قدرت پر جلوہ گر ہو کر ہر لمحے اور ہر آن کائنات کا نظام چلارہا ہے۔ ذرے ذرے پر اس کی نظر ہے اور ہماری زندگی کے روز و شب سب اس کے علم میں ہیں۔ ہماری زندگی کا مقصد اسے راضی کرنا ہے۔ تا کہ کل روز قیامت جب وہ قادر مطلق تخت عدالت پر جلوہ افروز ہو تو اس کا حتمی فیصلہ ہمارے بارے میں یہ ہو کہ میں نے آدم کے اس بیٹے یا اس بیٹی کو معاف کر دیا۔ میں نے اسے جہنم کے ہر عذاب سے بچا کر ختم نہ ہونے والی ابدی راحتوں میں جگہ دے دی۔ جس شخص نے شب قدر میں اس طرح خدائے قدیر کو دریافت کیا اسی نے شب قدر پالی۔

شبِ قدر اور خدا کی قربت

قرآنِ مجید میں شبِ قدر کو ہزار مہینوں سے افضل قرار دیا گیا ہے۔ اس لیے ہر بندۂ مؤمن کی خواہش ہوتی ہے کہ وہ اِس رات عبادت کر کے اللہ تعالیٰ کے قرب کے وہ مواقع حاصل کرے جو ہزار مہینوں سے افضل ہیں۔ تاہم جیسا کہ معلوم ہے کہ اس رات کی تعیین قرآن و حدیث میں نہیں ملتی۔ زیادہ سے زیادہ جو بات معلوم ہوتی ہے وہ یہ ہے کہ رمضان کے آخری عشرے کی طاق راتوں میں اسے تلاش کرنے کی کوشش کرنی چاہیے۔

تاہم جہاں تک اللہ تعالیٰ کے قرب کا تعلق ہے وہ شبِ قدر کی رات یا کسی اور وقت یا مقام پر موقوف نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ کا قرب اور عنایت بندۂ مؤمن کو ہر اُس وقت اور ہر اُس مقام پر نصیب ہو سکتے ہیں جب وہ پوری طرح اپنے رب کی طرف متوجہ ہو۔ اُس کی آنکھوں سے آنسو جاری ہوں۔ اُس کے قلب میں اللہ پاک کی رضا کے سوا کوئی جذبہ نہ ہو۔ وہ زندگی کے ہر نفع و ضرر کا مالک تنہا اپنے رب کو سمجھ کر اُس کی طرف لپک رہا ہو۔ یہی وہ بندہ ہے جو بلاشبہ رب کی قربت اور اُس کی حضوری کا شرف حاصل کر لیتا ہے۔ ایسے میں بندہ دعا مانگتا ہے اور رب قبول کرتا ہے، وہ سجدہ کرتا اور اُس کی حمد و تسبیح کرتا ہے اور رب اس کے ان اعمال کی قدردانی کرتا ہے۔

پھر صرف یہی ایک معاملہ نہیں متعدد ایسی چیزیں ہیں جو انسان کو خدا کی خاص عنایت سے نوازتی ہیں۔ اللہ کی راہ میں اس وقت خرچ کرنا جب تنگی کا موقع ہو۔ کسی کمزور کی غلطی کو اُس وقت معاف کر دینا جب انسان اُس سے بدلہ لینے کی پوری قدرت رکھتا ہو۔ تنہائی میں کسی ایسے گناہ سے رُک جانا جس میں نہ کسی رسوائی کا اندیشہ ہو اور نہ کسی پکڑ کا خوف۔ یہ سب احوال و مقامات وہ ہیں جو انسان کو خدا کے قرب سے نوازتے ہیں۔ شبِ قدر پانا کسی کے اختیار میں نہیں، لیکن یہ معاملات ہر شخص کے ہاتھ میں ہیں۔ ہم جب چاہیں ان کے ذریعے اپنے رب کا قرب اور عنایت حاصل کر سکتے ہیں۔

فہم قرآن کی کنجی

قرآن کریم رہتی دنیا تک کتابِ ہدایت ہے۔ اس کی ہدایت سے استفادے کے لیے ضروری ہے کہ یہ بات جان لی جائے کہ قرآن کریم میں موجود ہدایت کی نوعیت کیا ہے۔ قرآن کریم اپنے اسلوب کے اعتبار سے ایک بالکل منفرد نوعیت کی کتاب ہے۔ تورات کے احکام عشرہ کی طرح قرآن کریم میں ہدایت کے کوئی آٹھ دس اصول بیان نہیں ہو گئے ہیں۔ اسی طرح یہ کورس میں پڑھائی جانے والی اسلامیات کی کتاب کی طرح بھی نہیں ہے، جس میں اسلام کے حوالے سے مضامین پائے جاتے ہیں۔ یہ کسی عالم کی تحریر کردہ کسی علمی کتاب کی طرح بھی نہیں ہے، جس میں ایک ترتیب سے اسلامی عقائد و عبادات پر بحث کر کے ان کی حقانیت ثابت کی جاتی ہے۔

قرآن کریم دراصل اللہ تعالیٰ کے آخری رسول حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی سرگزشتِ انذار ہے۔ آسان الفاظ میں یوں کہیے کہ یہ قرآن کریم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے مخاطبین کے درمیان ہونے والی جدوجہد کا ریکارڈ ہے۔ صورتحال یہ تھی کہ مکہ مکرمہ میں اللہ تعالیٰ نے اپنا کلام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل فرمایا۔ آپ کی قوم یعنی قریش مکہ کے سامنے توحید و آخرت کی دعوت رکھی۔ ماننے والوں کو جنت کی خوشخبری دی اور جھٹلانے والوں کو اپنے عذاب سے ڈرایا۔ جنت، جہنم اور قیامت کی تفصیلات سے آگاہ کیا۔ اللہ کی ذات، صفات اور اس کے حقوق کو لوگوں پر واضح کیا۔ توحید و آخرت کی اس دعوت کے دلائل انفس و آفاق کی نشانیوں سے پیش کیے۔ مخالفین کے اعتراضات کا جواب دیا۔ اہل کتاب کے پیدا کردہ شبہات کو دور کیا۔ منکرین کے سوالات کا جواب دیا۔ مشرکین کی بدعتوں اور ان کے اوہام سے پردہ اٹھایا۔ مخالفین کی ایذا رسانی پر مسلمانوں کو صبر کی تلقین کی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابۂ کرام کے اخلاقِ حسنہ کو سراہا۔ مشرکین کی اخلاقی خرابیوں کو بے نقاب کیا۔

پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم چونکہ نبی ہونے کے ساتھ ساتھ ایک رسول بھی تھے۔ اس بات کا مطلب یہ ہے کہ اللہ کا قانون یہ ہے کہ قوم اگر رسول کا انکار کرتی ہے تو بات واضح ہونے کے بعد، اس پر دنیا ہی میں عذاب آجاتا ہے جبکہ ماننے والوں کو عذاب سے بچا کر دھرتی کا اقتدار دے دیا جاتا ہے۔ چنانچہ قرآن نے بار بار آپ کی قوم کو خدا کے اس عذاب سے ڈرایا جو قیامت سے پہلے اس دنیا ہی میں ان پر نازل ہو سکتا تھا۔ اس مقصد کے لیے پچھلے رسولوں کی داستان سنا کر یہ بتایا گیا کہ جس طرح نوح، ہود، صالح، لوط، شعیب، موسیٰ علیہم السلام اجمعین اور دیگر رسولوں کی قوموں پر دنیا ہی میں عذاب آیا ہے، اسی طرح قریش پر بھی ان کے انکار کی پاداش میں عذاب آکر رہے گا۔ 13 برس تک یہ جدوجہد جاری رہی یہاں تک کہ اتمام حجت ہو گیا یعنی ہدایت واضح ہو گئی۔ چنانچہ قریش پر عذاب کا فیصلہ ہو گیا۔ اللہ کے حکم سے آپ نے ہجرت فرمائی اور اپنے صحابہ سمیت مدینہ تشریف لے آئے۔ آپ کو چونکہ ایک قابل قدر تعداد میں ساتھی مل گئے تھے اس لیے اللہ تعالیٰ نے ارضی و سماوی آفت کے بجائے کفار کو صحابہ کرام کی تلواروں سے عذاب دینے کا فیصلہ کیا۔ جنگ بدر میں یہ عذاب نازل ہوا اور قریش کی پوری قیادت کو ہلاک کر دیا گیا۔ اس طرح رسولوں سے متعلق اللہ تعالیٰ کے قانون کا یہ حصہ نافذ ہو گیا کہ جس میں کفار کو دنیا ہی میں عذاب دیا جاتا ہے۔ البتہ اس قانون کا ایک دوسرا حصہ ابھی باقی تھا۔ وہ یہ کہ رسولوں پر ایمان لانے والوں کو نہ صرف اس عذاب سے بچایا جاتا ہے بلکہ انہیں دنیا میں بھی عروج و غلبہ دے دیا جاتا ہے۔

چنانچہ مدینہ میں آنے کے بعد صحابۂ کرام کے بارے میں اللہ تعالیٰ کے اس فیصلے کا ظہور شروع ہوا۔ اور صرف آٹھ سال بعد حرم پاک سمیت پوری سرزمین عرب پر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ماننے والوں کا غلبہ ہو گیا۔ اس عمل میں سرزمین عرب کے مشرکین سے جنگیں لڑی گئیں، مدینہ پاک میں موجود اہل کتاب سے معاملات پیش آئے۔ منافقین کی سازشوں کا سامنا کرنا پڑا۔ قرآن پاک ان سب پر تبصرے کرتا ہے۔ قدم

قدم پر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہؓ کرام کی رہنمائی کرتا ہے۔ اور سب سے بڑھ کر مسلمانوں کے تزکیہ کے لیے شریعت دینا شروع کرتا ہے، یہاں تک کہ دین کی تکمیل ہو جاتی ہے۔ ان سب کے ساتھ قرآن بار بار توحید و آخرت پر مبنی اپنی دعوت کو دہراتا رہتا ہے۔

قرآن کریم کا ایک قاری جب اسے پڑھنا شروع کرتا ہے تو یہ مضامین نکھر کر سامنے آتے چلے جاتے ہیں۔ اور اس کے لیے قرآن مجید کو سمجھنا بہت آسان ہو جاتا ہے۔ البتہ ایک اور اہم بات ہے جسے سمجھ لینا ضروری ہے۔ وہ یہ کہ قرآن کریم کے جن مضامین کی تفصیل ہم نے اوپر بیان کی ہے، اس کو دو بڑے حصوں میں تقسیم کیا جاسکتا ہے۔ اول قرآن کریم کی ایمان و عمل صالح پر مبنی دعوت اور اس کی تفصیلات۔ دوسرے رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کا اپنی قوم پر اتمام حجت، اس کے مباحث اور اس کے نتیجے میں آنے والا عذاب۔ یہ دونوں چیزیں قرآن پاک میں بالکل ساتھ ساتھ بیان ہوئی ہیں اور ایسا ہونا ناگزیر بھی تھا۔ اس لیے کہ ایمان و عمل صالح کی ابدی دعوت جن لوگوں کو دی جارہی تھی وہی رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اولین مخاطبین بھی تھے۔ لیکن یہ بات جب ایک عام قاری پر واضح نہیں ہوتی تو قرآن پڑھتے ہوئے بہت سے سوالات اس کے ذہن میں پیدا ہوتے اور بہت سی غلط فہمیاں اسے لاحق ہو جاتی ہیں۔

مثلاً ایک پڑھنے والا دیکھے گا کہ قرآن مجید کے بعض مقامات پر یہود و نصاریٰ کو دوست بنانے سے منع کیا گیا ہے، مگر دوسری طرف اسی قرآن میں ان کی خواتین سے شادی جائز قرار دی گئی ہے۔ سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ جب ان سے دوستی جائز نہیں تو شادی کا رشتہ جو زیادہ مضبوط اور محبت کا تعلق ہے اس کے قائم کرنے کی اجازت کیوں ہے؟ جواب یہ ہے کہ شادی کی بات ابدی شریعت کا ایک اصول ہے جبکہ دوستی کی ممانعت ان یہود و نصاریٰ سے ہے جن کا بغض بالکل کھل کر سامنے آگیا تھا۔ یہ بات سیاق و سباق سے بالکل واضح ہو جاتی ہے۔

اس بات کو ایک اور مثال سے سمجھیں۔ قرآن کریم میں شرک اور اس کی تمام چھوٹی بڑی اقسام کی برائی بیان ہوئی ہے۔ یہ اس کی ابدی دعوت کا ایک پہلو ہے جو ہر حال میں ہم سے متعلق ہے۔ مگر ساتھ ہی قرآن میں یہ بیان بھی ملے گا کہ مشرکین کو جہاں پاؤ مار ڈالو۔ اس بات کا تعلق ابدی دعوت سے نہیں بلکہ اس اتمام حجت سے ہے جس کے بعد مشرکین عرب پر عذاب کا فیصلہ ہو گیا تھا۔ یہ حکم صحابۂ کرام کو دیا گیا تھا اور قرآن مجید کا سیاق و سباق اس بات کو اچھی طرح واضح کر دیتا ہے۔ ایک عام شخص کے لیے جائز نہیں کہ قرآن کے اس حکم کو لے کر اپنے پڑوس میں رہنے والے کسی ہندو یا عیسائی کو مار ڈالے۔

قرآن مجید کے ہر قاری کو جو سمجھ کر قرآن پاک کو پڑھنا چاہتا ہے اس بات کو اچھی طرح سمجھ لینا چاہیے کہ اس طرح کی باتوں کا تعلق براہ راست اس سے نہیں ہے۔ اگر اسے کبھی کوئی شبہ پیدا ہو تو چاہیے کہ ایک یا ایک سے زیادہ اچھے اور صاحب بصیرت عالم سے رجوع کرے یا ان کی تفسیر دیکھ لے۔ یہ اصول فہم قرآن کی کنجی ہے جسے نہ سمجھنے کے نتیجے میں کتاب الٰہی سے متعلق بڑی غلط فہمیاں پیدا ہو سکتی ہیں اور بد قسمتی سے دور جدید میں پیدا ہوئی ہیں۔

ہو سکتا ہے کہ اس موقع پر یہ سوال کیا جائے کہ اگر یہ چیزیں عام لوگوں سے متعلق نہیں تو انھیں قرآن پاک میں رکھنے کی ضرورت ہی کیا ہے۔ اس بات کا جواب یہ ہے کہ یہ مباحث اس اعتبار سے بڑے اہم ہیں کہ یہ قرآن کی سچائی اور اس دعوت کا زندہ ثبوت ہیں جو وہ توحید و آخرت کے حوالے سے دنیا کے سامنے رکھتا ہے۔ اس لیے کہ ایک رسول کی قوم پر آنے والا عذاب اور اس کے ساتھیوں کو ملنے والا غلبہ یہ ثابت کر دیتا ہے کہ کل قیامت کے روز اللہ تعالیٰ ہر انسان کے ساتھ یہی کریں گے۔ جنھوں نے اس دعوت کو مانا وہ جنت کی بادشاہی کے مستحق ٹھہریں گے اور جو منکر ہوئے ان کا ٹھکانہ جہنم ہو گا۔

رمضان کا مہینہ۔۔۔حاصل کیا کرنا ہے؟

رمضان قمری تقویم کا نواں مہینہ ہے۔ یہ مہینہ مسلمانوں ہی کے لیے نہیں، انسانوں کے لیے بھی بہت اہم ہے۔ یہ وہ مہینہ ہے جب گمراہی کے صحرا میں بھٹکتی انسانیت کی صدائے العطش، آسمان نے سنی اور بارانِ ہدایت کو عرب کے بیابانوں پر برسنے کا حکم دیا۔ پھر اس سرزمین سے ہدایت کے وہ چشمے ابلے جن سے پوری انسانیت سیراب ہوگئی۔ یہ وہ مہینہ ہے جب ظلم کی چکی میں پستی اور سسکتی ہوئی انسانیت کی صدائے العدل کا جواب کائنات کے بادشاہ نے عدل سے نہیں، احسان سے دیا۔ اس طرح کہ قیامت تک کے لیے قرآن کو وہ فرقان بنا کر زمین پر اتارا کہ جس کی ہدایت نے دھرتی کو امن و سکون سے بھر دیا۔

ماہِ رمضان ایک دفعہ پھر اہلِ زمین کے سروں پر سایہ فگن ہونے کو ہے۔ اس حال میں کہ آج ہر طرف ظلم اور گمراہی کا دور دورہ ہے۔ انسانیت کے مصائب کا علاج آج بھی یہی ہے کہ قرآن کی ہدایت لوگوں کے سامنے رکھی جائے اور لوگ اسے قبول کرلیں۔

صاحب توحید خدا نے قرآن اور رمضان کا تعلق اس طرح بیان کیا ہے:

"رمضان کا مہینہ ہے جس میں قرآن نازل کیا گیا، لوگوں کے لیے رہنما بنا کر اور نہایت واضح دلیلوں کی صورت میں جو اپنی نوعیت کے لحاظ سے سراسر ہدایت بھی ہیں اور حق و باطل کا فیصلہ بھی۔"،

(البقرہ2:185)

قرآن کی ہدایت کیا ہے؟ اگر اسے ایک جملے میں بیان کیا جائے تو یہ انسانوں کو اس مسئلے سے آگاہ کرنے آیا ہے جو انھیں ان کی موت کے بعد درپیش ہوگا۔ یعنی ان کے مالک کے حضور پیشی کا مسئلہ۔ اپنے اعمال کی جوابدہی کا مسئلہ۔ جنت سے محرومی اور جہنم کی آگ کا مسئلہ۔ ابدی ذلت یا دائمی عیش کا مسئلہ۔ مگر بڑی عجیب بات ہے کہ یہ ہدایت جس کا تعلق دنیا سے نہیں آخرت سے ہے، زندگی سے نہیں موت سے ہے، انسانوں

کی زندگی اور ان کی دنیا کے سارے مسائل کا واحد ممکنہ حل ہے۔

اس دنیا میں انسان کا اصل مسئلہ کیا ہے؟ یہ کہ وہ ایک فانی دنیا میں ابدی قیام کے اسباب ڈھونڈتا ہے۔ یہ کہ وہ ایک سرائے میں رہ کر کسی دائمی مستقر کے آرام ڈھونڈتا ہے۔ اقبال نے جو بات فرنگ کے لیے کہی تھی وہ ہر فرزندِ زمین کے بارے میں درست ہے:

ڈھونڈ رہا ہے فرنگ عیش جہاں کا دوام

وائے تمنائے خام وائے تمنائے خام

اس عیش اور آرام کی تلاش میں انسان خدا و آخرت کو بھول جاتا ہے۔ وہ فانی دنیا کو اپنا مقصود بناتا اور ہر اخلاقی قدر کو فراموش کر دیتا ہے۔ نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ انسان نوعِ انسانی کا شکاری بن جاتا ہے۔ پھر ظلم اور گمراہی کی وہ ساری اقسام وجود میں آتی ہیں جن سے بحر و بر میں فساد پھیل جاتا ہے۔ انسانوں کی جان، مال، عزت و آبرو انھی جیسے انسانوں کے ہاتھوں پامال ہوتی ہے۔ انسان کا اخلاقی وجود اس کی حیوانی خواہشات کے سامنے ڈھیر ہو جاتا ہے۔

اس صورتحال کا واحد حل وہ قرآنی ہدایت ہے جو پوری قوت کے ساتھ قیامت کے ہولناک زلزلے سے انسانوں کو ڈراتی ہے۔ وہ اُس روز سے انسانوں کو خبردار کرتی ہے جب زمین کوٹ کوٹ کر برابر کر دی جائے گی اور حسن و زینت کے تمام آثار مٹا کر زمین ایک چٹیل میدان بنا دی جائے گی۔ وہ دن کہ جب لوگ اپنے سوا ہر دوسری چیز کو بھول جائیں گے۔

"اے لوگو! اپنے رب سے ڈرو۔ بے شک قیامت کی ہلچل بڑی ہی ہولناک چیز ہے۔ جس دن تم اسے دیکھو گے، اس دن ہر دودھ پلانے والی اپنے دودھ پیتے بچے کو بھول جائے گی اور ہر حاملہ اپنا حمل ڈال دے گی اور تم لوگوں کو مدہوش دیکھو گے حالانکہ وہ مدہوش نہیں ہوں گے بلکہ اللہ کا عذاب ہے ہی بڑی ہولناک

چیز۔''،(الحج 22:2-1)

جو لوگ قرآن کی اس پکار پر توجہ دیتے ہیں اور آخرت کی کامیابی کو اپنی منزل بنالیتے ہیں قرآن ان کے سامنے ایک واضح نصب العین رکھتا ہے:

''بے شک فلاح پاگیا وہ شخص جس نے پاکیزگی اختیار کی۔''،(الاعلیٰ 87:14)

''اور نفس گواہی دیتا ہے، اور جیسا اسے سنوارا۔ پھر اس کی نیکی اور بدی اسے سجھادی کہ فلاح پاگیا وہ، جس نے اس کو پاک کیا اور نامراد ہوا وہ جس نے اسے آلودہ کیا۔''،(الشمس 91:10-7)

یہ آیات کھول کر بتاتی ہیں کہ آخرت کی کامیابی کا تمام تر انحصار اس بات پر ہے کہ انسان اس دنیا میں اپنا تزکیہ کرتا ہے یا نہیں۔ یہ تزکیہ رہبانیت جیسی کوئی چیز نہیں بلکہ ایمان و اخلاق کی آلائشوں سے خود کو بچانے کا عمل ہے۔ ان آیات سے یہ بات بھی واضح ہوتی ہے کہ نفسِ انسانی میں خیر و شر کا پورا شعور شروع دن ہی سے موجود ہے اور اسی علم کی بنیاد پر انسان یہ جانتا ہے کہ اسے اپنے آپ کو کن آلائشوں سے بچانا اور کن چیزوں کو اختیار کرنا ہے۔

یہ حقیقت ہے کہ دنیا میں انسان اخلاق سے عاری نہیں بلکہ فطرت کا عطا کردہ پاکیزہ لباس پہن کر آتا ہے۔ اس لباسِ فطرت کے دامن میں شرک کا کوئی داغ اور الحاد کا کوئی دھبہ تک نہیں ہوتا۔ اس پر ظلم کا میل اور ہوس کی گندگی نہیں لگی ہوتی۔ مگر دنیا میں موجود شیطانی ترغیبات، حیوانی خواہشات اور ماحول کے اثرات انسان کو گمراہی کے راستوں پر ڈال دیتے ہیں۔ وہ فطرت میں موجود خیر و شر کے تصورات کو بھول کر خواہشِ نفس کی پیروی اختیار کرتا ہے۔ جیسے جیسے وہ اس راہ پر آگے بڑھتا ہے، یہ گرد آلود راستہ دامنِ دل اور لباسِ فطرت کو غلیظ سے غلیظ تر کرتا چلا جاتا ہے۔ غفلت کی دھول اور سرکشی کی کالک فطرت کے حسن کو نری غلاظت میں بدل دیتی ہے۔ انسان پہلے پہل خیر و شر کی تمیز کھوتا ہے اور پھر معاشرے میں ہر شر خیر

اور ہر خیر شر بن جاتا ہے۔ فطرت میں پیدا ہو جانے والی اس کجی کو دور کرنے کے لیے اللہ تعالیٰ نے ہر دور میں پیغمبر بھیجے، کتابیں اتاریں، بھولا ہوا سبق یاد دلایا اور آخر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر قرآن اتارا۔ قرآن نہ صرف تزکیے کے نصب العین کو انسانوں کے سامنے رکھتا ہے بلکہ ایمان و اخلاق اور فکر و عمل کی آلائشوں کی بھی نشان دہی کرتا ہے۔

قرآن کی اس ہدایت کی روشنی میں ہر بندۂ مومن کی زندگی کا نصب العین یہ ہونا چاہیے کہ وہ اپنے آپ کو فطرت میں موجود اور قرآن میں بیان کردہ ان آلائشوں سے بچائے۔ انسان جیسے ہی یہ عمل شروع کرتا ہے۔ اس کا براہِ راست نتیجہ اس کے اخلاقی وجود پر مرتب ہوتا ہے۔ شرک و الحاد کی گندگی کو دھونے کے بعد انسان اپنے جیسے انسانوں کو خدا بناتا ہے نہ خواہشِ نفس کو اپنا معبود ٹھہراتا ہے۔ آخرت کی کامیابی کا نصب العین تقاضا کرتا ہے کہ انسان کی جان، مال، وقت اور صلاحیت کا ایک حصہ لازماً ذاتی مفادات سے بلند ہو کر صرف کیا جائے۔ ایسے پاکیزہ لوگوں کے معاشرے میں نہ طاقتور کمزوروں پر ظلم کرتے ہیں اور نہ اہلِ ثروت غربا سے بے نیاز اپنی خرمستیوں میں مگن رہتے ہیں۔ انسان اپنے ابنائے نوع کے ساتھ اس یقین کے ساتھ معاملہ کرتے ہیں کہ کل روزِ قیامت ہر معاملہ ربُّ العالمین کی عدالت میں پیش کیا جائے گا۔ وہ عدالت جہاں فیصلے مادی نہیں بلکہ اخلاقی قانون کی بنیاد پر ہوں گے۔ چنانچہ دھوکہ، فریب، بددیانتی، خیانت، جھوٹ اور معاشرے میں پائی جانے والی ان جیسی تمام اخلاقی گندگیاں اوصافِ حمیدہ کے لیے جگہ چھوڑ دیتی ہیں۔ یوں دھرتی نورِ ایمان سے چمک اٹھتی ہے۔

فلاحِ آخرت اور اس کے لیے پاکیزگی کے حصول پر انسان کو متحرک کرنے والی سب سے بڑی چیز خدا کے حضور پیشی کا خوف، اس کی پکڑ کا اندیشہ، اس کے عذاب کا ڈر اور اس کا تقویٰ ہے۔ یہ تقویٰ ہی وہ چیز ہے جو روزوں کی فرضیت کا اصل مقصود ہے:

"ایمان والو، تم پر روزہ فرض کیا گیا ہے، جس طرح تم سے پہلوں پر فرض کیا گیا تھا تاکہ تم اللہ سے ڈرنے والے بن جاؤ۔"،(البقرہ183:2)

یہ تقویٰ کیسے پیدا ہوتا ہے۔ اس طرح کہ رمضان میں قرآن کی بار بار تلاوت انسان کو جہنم کے عذاب اور خدا کی پکڑ سے بے خوف نہیں رہنے دیتی۔ دوسری طرف روزے میں کھانے پینے سے رکنا انسان کو نہ صرف پرہیز گاری کے آداب سکھاتا ہے بلکہ اسے اُس مضبوط قوت ارادی سے آگاہ کرتا ہے جسے استعمال کر کے وہ ہر اخلاقی ناپاکی سے بچ سکتا ہے۔

سو اب جب کہ رمضان کی آمد آمد ہے، آیئے۔۔۔ رمضان کے استقبال کا عزم کرتے ہیں۔ ایک ایسے معاشرے میں جہاں قرآن صرف ثواب کے لیے پڑھا جاتا ہے، آیئے۔۔۔ قرآن کو ہدایت کے لیے پڑھنے کا عزم کرتے ہیں۔ یہ عزم کہ قرآن کو سمجھ کر پڑھیں گے۔ یہ جاننے کے لیے پڑھیں گے کہ قرآن جس دن کی مصیبت سے خبر دار کرنے آیا ہے وہ کون سا دن ہے۔ فکر و عمل اور اخلاق و عقیدہ کی اُن گندگیوں کو جاننے کے لیے پڑھیں گے جن سے بچے بغیر جہنم کی آگ سے نہیں بچا جا سکتا۔

رمضان ثواب کا مہینہ ہے۔ آیئے۔۔۔ اسے ہدایت کا مہینہ بنا دیں۔ یہ بھوک پیاس سے رکنے کا مہینہ ہے۔ آیئے۔۔۔ اسے تقویٰ حاصل کرنے کا مہینہ بنا دیں۔ یہ قمری تقویم کا نواں مہینہ ہے۔ آیئے۔۔۔ اسے ایمانی تقویم کا پہلا مہینہ بنا دیں۔

خزانے کا نقشہ

انسان کہانیوں کو بہت پسند کرتے ہیں۔ خاص طور پر وہ کہانیاں جن میں کسی پوشیدہ خزانے کا ذکر ہو۔ ان کہانیوں میں کوئی مہم جو خطرات سے کھیلتا اور مشکلات جھیلتا ہوا اس خزانے تک جا پہنچتا ہے۔ اس مہم کے دوران اس کی رہنمائی کے لیے ہمیشہ ایک نقشے کا بھی ذکر ہوتا ہے جس کی مدد سے وہ نامعلوم منزل تک جا پہنچتا ہے۔

اگر غور کیا جائے تو پوشیدہ خزانے کے حصول کی یہ کہانی انسانی فطرت کے ایک خاص پہلو کی عکاسی کرتی ہے۔ یہ وہ پہلو ہے جس کی بنا پر انسان یہ چاہتا ہے کہ وہ دنیا بھر کی ساری نعمتیں اور راحتیں حاصل کرلے۔ یہ سب کچھ مال و دولت کے بغیر نہیں مل سکتا۔ خزانے کی کہانی میں یہی مال و دولت عالم شباب میں اس مہم جو کو مل جاتا ہے جو پڑھنے والے کے لیے ہیرو کی حیثیت رکھتا ہے۔

لیکن کہانیاں پسند کرنے والوں بلکہ در حقیقت اکثر انسانوں کو یہ بات معلوم نہیں کہ خزانے کی کہانی کوئی فلم، کوئی داستان نہیں۔ یہ ایک حقیقت ہے۔ زندگی کی ایک ایسی حقیقت جس میں مرکزی کردار خود ان کا اپنا ہے۔ روز ازل سے خدائے ذوالجلال نے زندگی کی سچی کہانی میں انسان کو مرکزی رول کے لیے منتخب کرلیا تھا۔ اس کی ذمہ داری یہ تھی کہ وہ ایک مہم جو کی طرح دنیا کے مصائب و آلام اور راحت و سکون کو نظر انداز کرتا ہوا آگے بڑھے اور جنت کے اس خزانے کو پالے جس کے بعد انسان ہر عیش و آرام کا حقدار اور ہر دکھ و غم سے نجات پالے گا۔

خدا نے انسانوں کی رہنمائی کے لیے جنت کے پوشیدہ خزانے تک پہنچنے کا ایک نقشہ بھی عطا کیا ہے۔ یہ نقشہ پیغمبروں کی رہنمائی کے ذریعے سے انسان کو ملتا رہا ہے۔ اور آخری دفعہ یہ نقشہ قرآن پاک کی شکل میں تحریری طور پر محفوظ کرکے انسانوں کو دے دیا گیا ہے۔ اس نقشے میں علامات نہیں بلکہ الفاظ کی شکل میں بتادیا گیا ہے کہ کون لوگ ہیں جو اس خزانے تک پہنچنے میں کامیاب رہتے ہیں۔ سیدھا رستہ کیا ہے، اس پر چلنے میں کیا مشکلات آتی ہیں، ان سے کیسے نبرد آزما ہونا ہے، اس راستے کا زاد راہ کیا ہے، راستہ بھٹک جائیں تو کیا کرنا ہے، یہ سب اس میں تفصیل کے ساتھ بتادیا گیا ہے۔

مگر بد قسمتی سے انسان اس نقشے کو چھوڑ کر خواہش کے صحرا اور توہمات کے جنگل میں بھٹک رہے ہیں۔ وہ یہ بھول چکے ہیں کہ وہ عالم زیست میں ایک مہم پر بھیجے گئے ہیں۔ اس مہم میں ان کا مقصد (جبلِ زندگی) کے اس پار ایک اور دنیا میں موجود فردوس کے خزانے تک پہنچنا ہے۔ اس کے لیے ضروری ہے کہ دنیا کے اس جنگل سے وہ محتاط انداز میں گزریں۔ کیونکہ یہاں قدم قدم پر گناہ کی دلدل ہے، ابلیس کے چھوڑے ہوئے شکاری درندے اور نفسانی خواہشات کے اژدہے ہیں۔ انہیں اس جنگل سے اپنا زادِ راہ تو لینا ہے، مگر اسے اپنا مسکن و مقصد نہیں بنانا۔ جس نے ایسا کیا وہ ابد تک اس جنگل میں بھٹکتا رہے گا۔

خزانے کے اس نقشے کو چھوڑ دینا ہر چند کہ تمام انسانیت کی بد قسمتی ہے، مگر سب سے بڑھ کر یہ ان لوگوں کی بد قسمتی ہے جن کے حوالے کر کے پیغمبر علیہ السلام دنیا سے گئے تھے۔ اس لیے کہ دوسروں کو یہ سب کچھ سمجھانے کی ضرورت ہے، مگر اِنہیں تو اس بات پر یقین ہے کہ واقعتاً یہ قرآن جنت کے پوشیدہ خزانے کا نقشہ ہے۔ دنیا کے دوسرے لوگ تو کل قیامت کے دن یہ عذر پیش کر سکتے ہیں کہ ہمارے پاس خزانے کا یہ نقشہ نہیں تھا مگر مسلمان قیامت کے دن کیا عذر پیش کریں گے؟

آج مسلمانوں کا حال یہ ہے کہ خدا کی کتاب اور اس کے پیغمبر کا دیا ہوا سب سے عظیم تحفہ ان کے پاس موجود ہے، مگر انہیں توفیق نہیں ہوتی کہ وہ اس کو کھول کر پڑھ لیں۔ جنہیں یہ توفیق ہوتی ہے وہ بے سوچے سمجھے اس کو پڑھتے ہیں اور ادب سے کسی بلند مقام پر رکھ دیتے ہیں۔ جو لوگ اس کے سمجھنے کے دعویدار بن کر کھڑے ہوتے ہیں، ان کے لیے یہ بس دنیا میں سیاسی انقلاب برپا کرنے کا ایک منشور ہے۔ جب مسلمانوں کا یہ حال ہو تو کسی غیر مسلم سے کیا توقع کی جا سکتی ہے۔

آج خدا اور انسانوں سے محبت کرنے والے لوگوں کا سب سے بڑا کام یہ ہے کہ وہ انسانوں کو خدا کی اس کتاب کی طرف بلائیں۔ پیغمبر علیہ السلام کی اس دعوت کی طرف بلائیں۔ اس لیے کہ ہر انسان کے پاس وقت تیزی سے ختم ہو رہا ہے۔ ہر مہم جو کے لیے مہلت عمل ختم ہو رہی ہے۔ اس نے اس نقشے کی مدد سے فردوس کے خزانے کو نہ پایا تو اس کا انجام جہنم کی گہری کھائی ہو گی۔ وہ کھائی جہاں ہمیشہ ہمیشہ کے لیے رونا ہو گا اور ہمیشہ ہمیشہ کے لیے چلانا ہو گا۔

قرآن اور مسلمان

قرآن مجید کے مطابق رمضان وہ مہینہ ہے جس میں قرآنِ کریم نازل کیا گیا جو انسانوں کے لیے ہدایت ہے۔ قرآن مجید کی ہدایت کے ان گنت پہلو ہیں۔ اس کا ایک پہلو وہ ہے جو اس کی حسنِ ترتیب سے ہمارے سامنے آتا ہے۔

قرآن مجید کے متعلق ہمیں معلوم ہے کہ یہ جس ترتیب کے ساتھ نازل ہوا ہے، اس سے ایک مختلف ترتیب کے ساتھ ہمارے پاس موجود ہے۔ یہ ترتیب توقیفی ترتیب کہلاتی ہے۔ اس ترتیب کے متعلق ایک رائے یہ ہے کہ یہ بڑی سورتوں سے بتدریج چھوٹی سورتوں کی طرف قائم کردہ ترتیب ہے۔ لیکن یہ بات درست نہیں ہے۔ اس مشاہدے کی تردید قرآن مجید کی پہلی سورت سورۂ فاتحہ کر دیتی ہے جو ایک انتہائی چھوٹی سورت ہے۔ بڑی سورتیں اس کے بعد آتی ہیں۔ ان بڑی سورتوں میں سے بھی بقرہ (۲۸۶)، آل عمران (۲۰۰)، نساء (۱۷۶) اور مائدہ (۱۲۰) میں آیات تدریجاً کم ہوتی ہیں، مگر اگلی چار سورتوں یعنی انعام (۱۶۵)، اعراف (۲۰۶)، انفال (۷۵) اور توبہ (۱۲۹) میں ایسی کوئی ترتیب نہیں پائی جاتی۔

ہمارے نزدیک اس ترتیب میں جو چیز ملحوظ رکھی گئی ہے وہ یہ ہے کہ قرآن مجید نازل تو مشرکین کے درمیان ہوا تھا، مگر تاقیامت اسے مؤمنین کے درمیان رہنا تھا، ایسے لوگوں کے درمیان جو اسلام کے دعویدار اور ایمان کے مدعی ہوں گے، مگر ان میں وہ ساری کمزوریاں، برائیاں اور عیب در آئیں گے جو سابقہ امتوں میں آموجود ہوئے تھے۔ چنانچہ قرآن مجید کی موجودہ ترتیب میں ابتدا میں وہ سورتیں آتی ہیں جن میں یہ بتایا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ہدایت پانے کے بعد اقوام کس طرح گمراہ ہو جایا کرتی ہیں۔ ان سورتوں میں یہ بتایا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک فکر و عمل اور فلسفہ و شریعت کی سطح پر کیا چیز ہدایت ہے۔ وہ کیا رویہ ہے جو اللہ تعالیٰ کو مطلوب ہے اور وہ کیا طریقہ ہے جو اللہ تعالیٰ کو ناپسند ہے۔ سابقہ اہل کتاب یعنی یہود و نصاریٰ کس طرح ہدایت پانے کے بعد گمراہ ہو گئے۔ ان میں کس طرح شرک و بدعت کے رویے عام ہوئے۔ کس طرح ایمان

واخلاق کے بجائے ظاہر پرستی عین مطلوب بن گئی۔ کس طرح عملِ صالح کے بجائے فسق وفجور کے رویے عام ہوئے۔ کس طرح حق پرستی کے بجائے قوم پرستی امتوں کے فکر وعمل کا محور ومرکز بن گئی۔

پھر ان سورتوں میں یہ بتایا گیا ہے کہ کس طرح منافقت کا روگ ایمانی وجود میں کینسر کی طرح سرایت کر جاتا ہے۔ کس طرح لوگ خود کو اصلاح کرنے والا سمجھتے ہیں حالانکہ وہ سب سے بڑے فسادی بن جاتے ہیں۔ کس طرح منافقت معاشروں میں عام ہو جاتی ہے۔ کس طرح اقوام للہ تعالیٰ کی نعمت اور انعام پانے کے بعد گمراہی کا رویہ اختیار کرتی ہیں۔ کس طرح اسلاف کے نام پر قوموں میں غلط روی عام ہو جاتی ہے۔ لوگ نام ابراہیم خلیل اللہ اور اسماعیل علیہما السلام کا لیتے ہیں، مگر خود ساختہ رسموں اور ضابطوں پر مشتمل ایک نیا دین گھڑ لیتے ہیں۔ نام موسیٰ اور عیسیٰ علیہما السلام کا لیا جاتا ہے، مگر درحقیت قوم پرستی اور شرک وبدعت کا ایک جھنکاڑ ہوتا ہے جس کو مذہب کے نام پر پیش کیا جاتا ہے۔

اس طرح قرآن مجید کی یہ ابتدائی سورتیں مسلمانوں کو یہ بتانے کے لیے ابتدا میں رکھی گئی ہیں کہ انھیں سابقہ امتوں کے طرز عمل سے بچنا ہو گا۔ وہ اگر نہیں بچیں گے تو ان کا انجام بھی ویسا ہی ہو گا جیسا انجام ان سورتوں میں پچھلی امتوں کے حوالے سے بیان ہوا ہے۔ وہ بظاہر اپنے آپ کو عین حق سمجھیں گے، مگر خدا کے نزدیک وہ مغضوب اور گمراہ ہوں گے۔ وہ خود کو جنت کا حقدار سمجھیں گے، مگر رب کے نزدیک ان کا اصل ٹھکانہ جہنم ہو گا۔ وہ خود کو خیر الامم کہیں گے، مگر پروردگار ان پر ذلت، مسکنت اور رسوائی تھوپ دے گا۔ یہ اللہ تعالیٰ کا ضابطہ ہے کہ وہ افراد کا معاملہ قیامت پر اٹھا رکھتا ہے، لیکن اقوام وملل کو ان کے اعمال کے مطابق اسی دنیا میں بدلہ دیتا ہے۔

یہی وہ بات ہے جو قرآنِ مجید کی ابتدائی سورتوں کا بنیادی سبق ہے جو ہر اس مسلمان کو سیکھنا چاہیے جو سوچ سمجھ کر قرآن مجید کو رمضان میں پڑھنے کی سعادت حاصل کرتا ہے۔

رمضان اور ہمارے اخلاقی معاملات

رمضان مبارک کی مقدس ساعتیں ہم پر سایہ فگن ہو رہی ہیں۔ قمری اور شمسی مہینوں کے فرق کی بنا پر اب کئی برس تک رمضان کا مہینہ موسم گرما میں آیا کرے گا۔ تاہم ایک طویل عرصے سے کی جانے والی مذہبی سرگرمیوں کے نتیجے میں مسلمان عبادات کے بارے میں اب کافی حساس ہو گئے ہیں۔ لہٰذا امید ہے کہ ان شاءَ اللہ سخت ترین گرمی کے موسم میں بھی مسلمانوں کی غالب اکثریت موسم کی شدت اور روزے کی طوالت کے باوجود اس عظیم عبادت کو پوری ہمت اور یکسوئی کے ساتھ ادا کرے گی۔ تاہم اس کے ساتھ سابقہ تجربات و مشاہدات کی بنیاد پر یہ بات پورے اعتماد کے ساتھ کہی جاسکتی ہے کہ روزے کے ساتھ وہ ساری اخلاقی خرابیاں جوں کی توں جاری و ساری رہیں گی جنھوں نے ہمارے معاشرے کو ظلم و فساد سے بھر دیا ہے۔

ہمارے ہاں کے ایک مذہبی انسان کا تصور

اس کی وجہ یہ ہے کہ ہمارے ہاں مذہبی انسان کا جو تصور ہے وہ کچھ ظاہری چیزوں اور عبادات کے ظاہری ڈھانچے تک محدود ہے۔ عبادات بلاشبہ دین کا اہم ترین اور بنیادی دینی مطالبہ ہے۔ لیکن جس طرح قلبی ایمان کے بغیر کلمہ پڑھ لینا ایک بے فائدہ عمل ہے، اسی طرح اپنی اصل روح کے بغیر یہ عبادات حقیقی فائدہ نہیں دے سکتیں۔ یہ بات کوئی ہم نہیں کہہ رہے دین دینے والی ہستی نے اس حقیقت کو مختلف پہلوؤں سے کھولا ہے۔ خود روزہ کے حوالے سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

”جس شخص نے (روزہ رکھ کر) جھوٹ بولنا اور جھوٹ پر عمل کرنا نہیں چھوڑا تو اللہ کو اس کی کوئی حاجت نہیں کہ وہ اپنا کھانا پینا چھوڑ دے۔“، (صحیح بخاری، رقم 1804)

یہ روایت صاف بیان کرتی ہے کہ روزہ اطاعت کی جس اسپرٹ اور تقویٰ کے جس مقصد کے لیے رکھا جاتا ہے وہ مقصد اگر پورا نہیں کیا جارہا تو پھر صرف بھوکا پیاسا رہنا وہ عمل نہیں جو اللہ تعالیٰ کو اپنے بندوں سے مقصود ہو۔

قرآن کا مطلوب انسان

مزید یہ کہ عبادات کے ساتھ دین کے بہت سے اہم اخلاقی مطالبات ہیں جن سے پورا قرآن بھرا ہوا ہے۔ ان میں سے چند اہم مقامات کو میں نے اپنی کتاب "قرآن کا مطلوب انسان" میں جمع کر دیا ہے۔ قرآن کریم کے مطالعہ سے یہ بات بالکل واضح ہے کہ دین آخرت کی نجات اور دنیا میں اعلیٰ شخصیت کے پیدا ہونے کی ضمانت انھی مطالبات کی بنا پر دیتا ہے۔ ان کو نظر انداز کر کے کوئی شخص کبھی بھی حقیقی دیندار نہیں بن سکتا۔ نہ ان کے بغیر آخرت کی فلاح ممکن ہے نہ دنیا ہی میں اعلیٰ انسان پیدا ہو سکتے ہیں جو کسی معاشرے کو عدل و انصاف اور نتیجے کے طور پر اللہ کی رحمتوں سے بھر دیتے ہیں۔ مگر ہمارے ہاں یہ سانحہ ہے کہ ہمارے دینی فکر میں یہ اخلاقی مطالبات غیر اہم ہیں۔ تاہم اگر دین کے اصل ماخذ کو پڑھا جائے تو اس معاملے میں کسی قسم کی غلط فہمی کا کوئی امکان باقی نہیں رہتا۔

خود روزے کی عبادت کی تفصیل جس طرح قرآن مجید میں بیان ہوئی ہے اس سے یہ حقیقت صاف واضح ہو جاتی ہے یہ اخلاقی مطالبات عبادات جتنے ہی اہم ہیں بلکہ عبادات اور خاص کر روزے کی عبادت کے بیان کے ضمن میں اس حقیقت کو بالکل کھول دیا گیا ہے کہ اس عظیم عبادت کا مقصد ہی لوگوں کو ان اخلاقی مطالبات کی ادائیگی کے لیے تیار کرنا ہے۔

رمضان اور اخلاقی رویے

روزہ کا حکم قرآن مجید کی سورہ بقرہ میں دیا گیا ہے۔ یہ کئی پہلوؤں سے قرآن مجید کی اہم ترین سورت ہے۔

اس سورت کے آغاز میں بنی اسرائیل کو ان کے جرائم اور خاص کر بے خوفی (عدم تقویٰ) کی نفسیات کی بنا پر امامت عالم کے منصب سے فارغ کرنے کا اعلان کیا گیا ہے۔ اس کے بعد ایک نئی امت یعنی امت مسلمہ کو اس منصب پر فائز کیا گیا ہے۔ جس کے بعد نئی امت کو ایمان و اخلاق کی بہترین حالت میں لانے کے لیے ہدایات اور خاص کر اپنی سب سے بڑی نعمت یعنی شریعت عطا کی گئی ہے۔

روزوں کا حکم شریعت کے قوانین کے اسی سلسلہ بیان میں رکھا گیا ہے۔ مگر وہ جس طرح اور جس ترتیب سے بیان کیا گیا ہے اس کا سمجھنا بہت اہم ہے۔ روزہ سے قبل اللہ تعالیٰ نے انسانی جان کی حرمت کو برقرار رکھنے کے لیے قصاص کا حکم دیا (آیت 177-179)۔ یعنی قاتل کو اس جرم میں سزائے موت دی جائے۔ اس کی طاقت اور سماجی حیثیت سے قطع نظر قاتل جو بھی ہو اسے بہرحال سزا ضرور ملنی چاہیے۔ پھر جان کے بعد مال کی حرمت کے حوالے سے احکام شروع ہوتے ہیں (آیت 181-182)۔ عرب میں طاقتور وارث کمزوروں کو وراثت کے مال سے محروم کر دیتے تھے۔ چنانچہ اس ظلم کو روکنے کے لیے ایک ابتدائی حکم یہ دیا گیا کہ مرنے والا اپنی زندگی کے آخری مرحلے میں جب موت قریب ہو تو یہ معاملہ طے کر کے جائے۔

دونوں احکام کے ضمن میں تقویٰ کا ذکر ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ جان کا معاملہ ہو یا مال کا، انسان ایک دفعہ بے خوفی کی نفسیات میں مبتلا ہو جائے تو پھر دنیا کی کوئی طاقت اسے دوسروں پر ظلم و تعدی سے نہیں روک سکتی۔ اللہ کا طریقہ تو یہ ہے نہیں کہ وہ دنیا میں ہاتھ پکڑ کر لوگوں کو ظلم و زیادتی سے روکے۔ رہے انسان تو ان میں سے جو طاقتور ہو گا وہ اپنی من مانی کر لے گا۔ جہاں موقع ملے گا وہ لوگوں کی جان اور مال پر ظلم ڈھائے گا۔ ایسے میں صرف عدل پر مبنی احکام اور تقوی کی نفسیات ہے جو معاشرے کو اس ظلم سے محفوظ

رکھ سکتی ہے۔ چنانچہ ایک طرف تو انتہائی منصفانہ احکام دیے گئے اور دوسری طرف تقویٰ کی اہمیت کو بیان کیا گیا۔

مگر تقویٰ کی اہمیت کے ساتھ یہ بھی بتانا ضروری ہے کہ یہ پیدا کیسے ہو گا۔ چنانچہ اسی مقصد کے لیے یہ اہتمام کیا گیا کہ مال سے متعلق احکام ابھی ختم نہیں ہوئے کہ تقویٰ کی اس کیفیت کو پیدا کرنے کے لیے بیچ ہی میں آیات 183 تا187 میں روزہ کی وہ عظیم عبادت فرض کی گئی جس کا مقصد ہی تقویٰ پیدا کرنا ہے۔ چنانچہ ارشاد فرمایا گیا۔

"ایمان والو، تم پر روزہ فرض کیا گیا ہے، جس طرح تم سے پہلوں پر فرض کیا گیا تھا تاکہ تم اللہ سے ڈرنے والے بن جاؤ۔(البقرہ183:2)

یہ روزہ سے متعلق پہلی آیت ہے اور اس سلسلہ کلام کی آخری آیت کے الفاظ یہ ہیں۔

اللہ اسی طرح اپنی آیتیں لوگوں کے لیے واضح کرتا ہے تاکہ وہ تقویٰ اختیار کریں۔(البقرہ187:2)

یعنی بات تقوی سے شروع ہوئی اور تقوی پر ہی ختم ہوئی۔ یہی تقوی یا خدا خوفی جو ہر سرد و گرم میں انسان کو اطاعت پر آمادہ کرتی ہے روزے کا اصل مقصود ہے۔ پھر روزہ کے بعد بغیر کسی وقفے کے وہی حرمت مال کا موضوع پھر اٹھالیا جس پر پہلے گفتگو ہو رہی تھی۔ ارشاد فرمایا:

اور اپنے مال باہمی طور پر باطل طریقے سے مت کھاؤ۔(البقرہ188:2)

اس طریقے کی حکمت

احکام کی یہ ترتیب اس بات کا صاف اعلان ہے کہ معاشرے میں اگر ظلم ہو رہا ہے۔ قاتل آزاد ہیں بے لگام ہیں۔ قصاص نہیں لیا جارہا۔ انسانی جان کی حرمت ہر روز پامال ہو رہی ہے۔ معصوموں کو قتل کیا جارہا ہے اور مجرم دندناتے پھر رہے ہیں۔ دہشت گردی اور خوف کی فضا عام ہے۔ مجرموں کو تحفظ دیا جارہا ہے۔ طاقت

ور طاقت کے زور پر اور اہل علم قلم اور زبان کی طاقت پر قاتلوں کا تحفظ کر رہے ہیں۔ عدالتوں میں عدل نہیں ہو رہا بلکہ وہیں پر بے گناہوں کو سنگسار کیا جا رہا ہے۔

لوگوں کا مال اگر باطل طریقے پر کھایا جا رہا ہے۔ ان کی زمینوں پر قبضے ہو رہے ہیں۔ بھتہ اور تاوان وصول کیا جا رہا ہے۔ ملاوٹ عام ہے۔ ظالمانہ منافع خوری، رشوت، لوٹ مار، کرپشن کا کلچر اگر عام ہے۔ تو اطمینان رکھیے اس معاشرے کے لوگ کتنے ہی روزے رکھ لیں۔ اللہ کے ہاں کوئی روزہ قبول نہیں ہو رہا۔ کچھ کا اس لیے کہ وہ روزہ رکھ کر اس ظلم میں حصہ دار ہیں اور کچھ کا اس لیے کہ وہ اس ظلم کے خلاف خاموش ہیں۔ روزہ صرف اس محدود اقلیت کا قبول ہو گا جن کے دل میں صرف خدا کا خوف ہو گا اور ہر دوسرے خوف سے بلند ہو کر اس ظلم کے خلاف آواز اٹھائیں گے۔

وہ دہشت گردی کو دہشت گردی کہیں گے۔ وہ ظلم کو ظلم کہیں گے۔ قتل کو قتل کہیں گے۔ بھتہ و تاوان کو بھتہ کہیں گے۔ کرپش کو کرپشن کہیں گے۔ زمینوں پر قبضہ کو حرام کہیں گے۔ ظالمانہ منافع خوری، رشوت، کرپشن کے خلاف سینہ سپر ہو کر کھڑے رہیں گے۔

باقی جو لوگ یہ سب کام کرتے ہیں اور عین رمضان میں اس ظلم و ستم کا ارتکاب کرتے ہیں، وہ اطمینان رکھیں۔ روزہ کا نتیجہ اس دنیا میں تقوی ہے۔ اگر وہ نہیں نکل رہا تو آخرت والا نتیجہ بھی نہیں نکلے گا۔ وہ جنت میں نہیں جائیں گے۔ ان کا انجام جہنم کی آگ ہے۔ کیونکہ انھوں نے میرے آقا کے فرمان کے مطابق روزہ تو رکھ لیا، مگر روزہ رکھ کر جھوٹ، ظلم، ناانصافی کو نہیں چھوڑا۔ وہ دنیا میں نافرمانی سے نہیں بچے تو آخرت میں جہنم سے بھی نہیں بچ سکتے۔ وہ اپنے آپ کو کچھ بھی کہتے رہیں اور کچھ بھی سمجھتے رہیں۔ یہی ان کا انجام ہے۔

عید کی چھٹی

پرانے زمانے میں دستور تھا کہ بچے اساتذہ کے گھروں میں تعلیم حاصل کرنے کے لیے جایا کرتے تھے اور اساتذہ انھیں ان کا سبق یاد کراتے تھے۔ جن بچوں کو سبق یاد ہوتا انھیں چھٹی مل جاتی اور جنھیں یاد نہیں ہوتا تھا ان کی چھٹی بند ہو جایا کرتی تھی۔ اسی سے متأثر ہو کر شاعر نے کہا تھا:

مکتب عشق کا دستور نرالا دیکھا

اس کو چھٹی نہ ملی جس کو سبق یاد ہوا

یہ بات مکتب عشق کے بارے میں ٹھیک ہو یا نہ ہو اس مکتب کے بارے میں ضرور صحیح ہے جو روزے کی شکل میں مسلمانوں کے لیے ہر سال رمضان میں لگایا جاتا ہے۔ ماہ رمضان میں لوگوں کو روزہ کی سخت مشقت میں ڈال کر یہ سبق دیا جاتا ہے کہ ان میں اللہ تعالیٰ کی اطاعت کے لیے کسی بھی حد تک جانے کی صلاحیت ہے۔ چاہے انھیں شدید گرمیوں میں پیاس کی اذیت اٹھانی پڑے یا موسم گرما کے طویل روزوں میں بھوک کی اذیت سہنی پڑے، وہ یہ صلاحیت اور قدرت رکھتے ہیں کہ رب کے لیے یہ سب جھیل لیں۔ اکثر لوگ یہ سب کچھ ایک ماہ تک کرتے رہتے ہیں، مگر افسوس کہ وہ اصل سبق یاد نہیں کرتے۔ چنانچہ جیسے ہی روزے ختم ہوتے ہیں، ان کی چھٹی ہو جاتی ہے۔ وہ نماز چھوڑ دیتے ہیں۔ فواحش پر دلیر ہو جاتے ہیں۔ انفاق بھول جاتے ہیں، وغیرہ۔

مگر جو شخص روزے کا اصل سبق یعنی ہر طرح کے حالات میں اطاعت سیکھ لیتا ہے، روزہ کی درسگاہ ختم ہونے کے بعد بھی اس کو چھٹی نہیں ملتی۔ وہ روزے کے بعد بھی اطاعت پر قائم رہتا ہے۔ وہ ہر گناہ سے بچتا اور ہر نیکی کی طرف دوڑتا ہے۔ اس لیے کہ یہ اس کے رب کا حکم ہوتا ہے۔ مگر ایسا نہیں ہے کہ ان لوگوں کو کبھی چھٹی نہیں ملے گی۔ عنقریب جنت میں ان کو ہر پابندی سے مکمل چھٹی مل جائے گی۔ عید کا دن اسی چھٹی کی علامت ہے۔

عید کا دن

عید خوشیوں کا دن ہے۔ یہ بھوک اور پیاس کی تکلیف اٹھانے کے بعد بے روک ٹوک کھانے پینے کا دن ہے۔ یہ مہینہ بھر رمضان کی مشقت جھیلنے کے بعد ایام عید کی تفریح، راحت اور سرور کا نام ہے۔ یہ عبادت و ریاضت کے ساتھ رب سے جڑے رہنے کے بعد دوبارہ انسانوں کی طرف لوٹنے اور ان سے ملنے ملانے کا دن ہے۔ عید کے دن کی یہ حیثیت سب لوگ جانتے ہیں۔ مگر عید کے دن کی ایک اور حیثیت بھی ہے جسے کم ہی لوگ جانتے ہیں۔ وہ یہ کہ عید کا دن اہل ایمان کے لیے جنت میں داخلے کی ریہرسل اور یاددہانی کا دن ہے۔

اس دنیا میں اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کو امتحان کے لیے پیدا کیا ہے۔ وہ انسانوں کو یہاں اچھے برے حالات سے آزماتے ہیں۔ اپنے بندوں سے ان کا مطالبہ یہ ہوتا ہے کہ وہ حالات کے سرد و گرم اور زمانے کے خیر و شر سے بے نیاز ہو کر خدا پرستی کے رویے پر قائم رہیں۔ لوگ جھوٹ بولیں، لیکن وہ سچ پر قائم رہیں۔ لوگ وعدے توڑیں، مگر وہ ایفائے عہد کو زندگی بنا کر جیئیں۔ لوگ رزقِ حرام کو اپنے دستر خوان کی زینت بنائیں، مگر وہ حصول رزق حلال کو اپنا نصب العین بنائیں۔ لوگ غفلت کی زندگی گزاریں، مگر وہ اطاعت کے راستے پر گامزن رہیں۔

یہ اور ان جیسے مطالبات کو پورا کرتے ہوئے زندگی گزارنا کوئی آسان کام نہیں۔ یہ روزہ کی بھوک پیاس برداشت کرنے جیسا مشکل عمل ہے۔ مگر جو لوگ ساٹھ ستر برس کی مختصر عمر میں یہ کر گئے، انہیں ہمیشہ کے لیے نعمت بھری جنتوں میں داخل کر دیا جائے گا جہاں ہر چیز بلا روک ٹوک انہیں ملتی رہے گی۔ جس دن یہ ہو گا وہ ان کی زندگی کا سب سے خوبصورت دن ہو گا۔

عید کا دن اُسی آنے والے دن کی یاددہانی ہے جب رکنے، ٹھہرنے، صبر کرنے کے سارے مطالبات ختم کر کے اہل ایمان پر ختم نہ ہونے والی خوشیوں کے دروازے کھول دیے جائیں گے۔

رمضان کے بعد۔۔۔

رحمتوں اور برکتوں کا مہینہ ، رمضان، آخر کار گزر گیا۔ مگر اپنے پیچھے یہ سوال چھوڑ گیا کہ ہمیں اس کی رحمتوں و برکتوں سے کتنا فیض حاصل ہوا؟لوگ اس سوال کا جواب رمضان میں کی گئی اپنی عبادتوں ، ریاضتوں ، شب بیداریوں اور دعاؤں میں تلاش کرتے ہیں۔ مگر اس سوال کا حقیقی اور زندہ جواب رمضان کے بعد کے ایام میں سامنے آجاتا ہے۔

لوگوں کی غالب ترین اکثریت عید کے چاند کی اطلاع کے ساتھ ہی رمضان کو فراموش کر دیتی ہے۔ ان کے لیے عید کے ایام خوشی کے نہیں غفلت کے ایام بن جاتے ہیں۔ جن میں نمازوں کی پابندی ختم، قرآن مجید کی تلاوت سے فراغت اور یادالہی، ذکرودعا سے صبح وشام خالی ہو جاتے ہیں۔

نفلی عبادات میں رمضان کے بعد کمی اتنا بڑا سانحہ نہیں کہ فطری طور پر انسان رمضان میں ان کی طرف بہت زیادہ متوجہ ہوتا ہے اور رمضان کے بعد ان میں کمی متوقع ہوتی ہے، مگر ان سے بالکل ہاتھ اٹھالینا، گناہوں پر دلیر ہو جانا اور فرائض کا ترک کر دینا اس بات کی علامت ہے کہ رمضان میں نظر آنے والی نیکی ایک نوعیت کا موسمی بخار یا مذہبی فیشن کی ایک شکل تھی۔ یہ کسی حقیقی معرفت، احساس اور ایمان کے نتیجے میں پیدا نہیں ہوئی تھی۔ حدیث کے الفاظ میں ایسے روزے ایمان و احتساب کے بغیر رکھے گئے اور ایسی شب بیداری ایمان و احتساب کے بغیر کی گئی۔

چنانچہ یہ روزے اور شب بیداری انسان میں حقیقی تبدیلی نہ لا سکے۔ یہ موسمی بخار تھا جو اتر گیا۔ مذہبی فیشن تھا جو وقت کے ساتھ رخصت ہو گیا۔ اگر ایمان ہوتا اور احتساب ہوتا تو کچھ نہ کچھ بہتری ضرور آتی۔ کچھ نئے اہداف طے ہوتے۔ کچھ کمزوریاں رخصت ہوتیں۔ زندگی میں بہتری ضرور آجاتی۔ سو اگر رمضان میں بھی ہم نے اپنا احتساب نہیں کیا تو رمضان کے بعد ہی سہی، ایمان کے تھرمامیٹر سے اپنا درجہ حرارت ضرور دیکھیے۔ یہ موسمی بخار تھا تو اتر گیا ہوگا۔ ورنہ ایمانی حرارت نے عمل میں ضرور بہتری پیدا کی ہوگی۔

پروفیسر ڈاکٹر محمد عقیل

تزکیۂ نفس: عبادات: تزکیۂ صوم (روزہ)

نماز اور زکوٰۃ کے بعد روزہ تیسری اہم عبادت ہے۔ رمضان فرض روزوں کا مہینہ ہے جس میں مسلمانوں کے لیے فجر سے مغرب تک کھانے پینے اور مخصوص جنسی عمل سے اجتناب برتنا لازم ہے البتہ مسافر، بیمار یا حیض میں مبتلا خواتین اس سے مستثنیٰ ہیں۔ روزہ صرف امتِ محمدی پر ہی نہیں بلکہ ماضی کی امتوں پر بھی فرض تھا۔ یہی وجہ ہے کہ یہ اپنی بگڑی ہوئی شکل میں عیسائیوں، یہودیوں حتیٰ کہ ہندوؤں کے یہاں بھی اب تک موجود ہے۔

روزے کی فضیلت: روزہ اُن عبادات میں سے ہے جن کی فضیلت اور اجر دیگر عبادات کی نسبت بہت زیادہ بلکہ لامحدود ہے۔ احادیث میں بڑی کثرت سے روزے کے فضائل بیان ہوئے ہیں۔ جنت کا ایک دروازہ "ریان" صرف روزے داروں ہی کے لئے مخصوص ہے (متفق علیہ)۔ ایمان و احتساب کے ساتھ روزے رکھنے پر گذشتہ گناہوں کی معافی کی بشارت ہے (متفق علیہ)۔ روزے دار کے منہ کی بو اللہ کو مشک کی بو سے بھی زیادہ عزیز ہے (متفق علیہ)۔ روزے دار کے لیے دو خوشیاں ہیں ایک جب وہ افطار کرے اور دوسری جب وہ (اپنے روزے سے رب کو راضی کرکے) خدا سے ملاقات کرے گا (متفق علیہ)۔ ایک بادشاہ اپنے ملازموں کو لگی بندھی تنخواہ سے نوازتا ہے جس کا ایک قاعدہ اور قانون مقرر ہے۔ لیکن جب وہ اپنے وفادار اور خاص لوگوں سے معاملہ کرتا ہے تو پھر اجرت کا اصول بدل جاتا اور اس کی مقدار بے حساب ہو جاتی ہے اسی طرح ایک مؤمن کے ہر عمل کی جزا دس گنا سے لے کر سات سو گنا تک ہے لیکن روزے کا اجر لامحدود ہے اور اس کی جزا خود پروردگارِ عالم دیں گے (متفق علیہ)۔

روزے کا مقصد: روزوں کا بنیادی مقصد تقویٰ کا حصول ہے۔ تقویٰ درحقیقت اللہ کے خوف، اس کی ناراضی سے بچنے کی کوشش، اس کی رضا کے لئے ہر طرح کی مشقت اور آزمائش کے لیے کمربستہ رہنے سے عبارت ہے۔ خدا کا تقرب اسی صورت میں مل سکتا ہے جب بندہ اس سے رک جائے جس سے رب نے منع کیا اور وہ کرنے

کے لئے کمربستہ ہو جائے جس کا اس نے حکم دیا ہے۔ عمل کی دنیا میں دیکھا جائے تو یہ کوئی دو اور دو چار کا فارمولا نہیں کہ ادھر بندے نے بندگی کا اقرار کیا اور ادھر وہ ولی صفت اور با عمل مسلمان بن گیا۔ خدا کے احکامات کی بجا آوری کے لیے سخت محنت، ٹریننگ اور مستقل مزاجی کی ضرورت ہے۔ عربی میں صوم کا مطلب ہے کسی چیز سے رک جانا اور اسے ترک کر دینا۔ صائم (روزے دار) کی اصطلاح عرب معاشرے میں ان گھوڑوں کے لئے بھی استعمال ہوتی تھی جنہیں جنگ کی تربیت دینے کی خاطر بھوکا پیاسا رکھا جاتا تھا۔ روزہ اسی تربیت کا حصہ ہے جس کے ذریعے بندہ چند جائز اعمال کو بھی خدا کے حکم پر چھوڑ کر اس کی فرمانبرداری کی عادت پیدا کرتا اور گناہوں کی دنیا سے کنارہ کشی اختیار کرنے کی تربیت حاصل کرتا ہے۔

روزے کا فلسفہ: دین کا بنیادی مقصد اپنے رب کو راضی کرنا اور اس کی عبادت و اطاعت ہے۔ رب کی اطاعت میں دو دشمن حائل ہوتے ہیں۔ ایک دشمن تو داخلی ہے جو انسان کا اپنا نفس ہے جبکہ دوسرا دشمن خارجی ہے جو شیطان ہے۔ رمضان چونکہ تربیت کا مہینہ ہے اس لیے خارجی دشمن یعنی شیطان کو تو دراندازی کرنے سے روک دیا جاتا ہے۔ دوسری جانب نفس کی تربیت کر کے اسے ہر قسم کے حالات میں خدا کی اطاعت و بندگی کے لئے تیار کیا جاتا ہے۔ نفس کی مثال ایک سرکش گھوڑے کی مانند ہے جو اپنے سوار کو اپنی مرضی سے بے مقصد بھگانا اور موقع ملنے پر پٹخ دینا چاہتا ہے۔ لیکن جب اسی سرکش گھوڑے کی تربیت کر دی جاتی اور اسے اچھی طرح سدھا دیا جاتا ہے تو اب یہ سوار کے اشاروں پہ ناچتا، اس کے احکامات کی تعمیل کرتا اور اس کے لیے سراپا نفع بخش بن جاتا ہے۔ گو کہ کچھ لوگ اس سرکش گھوڑے کو گولی مار کر ختم کر دینا بہتر سمجھتے ہیں کیونکہ اس میں روز روز کی جھنجھٹ نہیں۔ لیکن اسلام میں رہبانیت نہیں اور انسان کی اصل طاقت اس منہ زور گھوڑے کو رام کرنے میں ہے نا کہ اس کو مار ڈالنے میں۔ روزہ بھوک اور پیاس کے ذریعے نفس کے سرکش تقاضوں کو کمزور کر کے خدا کی اطاعت کے لیے تیار کرتا ہے۔ جو تقاضے انسان کو متواتر گناہ پر مجبور کرتے ہیں ان میں جنس کے تقاضے، پیٹ کی بھوک اور حلق کی پیاس سرِ فہرست ہیں۔ ان تقاضوں کی افراط انسان کو بے شمار گناہوں پر اکساتی

اور لاتعداد اخلاقی بیماریوں کا سبب بنتی ہے۔ روزہ ان تقاضوں کو نکیل ڈالتا، ان کو قابو میں رکھتا اور انسان کو ان کے شر سے محفوظ رہنے کی تربیت دیتا ہے۔ انسانی نفس کا ایک اور منفی پہلو یہ ہے کہ وہ جلد باز واقع ہوا ہے۔ روزہ اس جلد بازی کے تقاضے کو قابو کر کے صبر کی تربیت بھی دیتا ہے۔

روزے کی آفات: ہمارے معاشرے میں بالعموم لوگ روزہ رکھتے ہیں۔ البتہ چند کوتاہیوں کی بنا پر اس عظیم عمل کو مکمل یا جزوی طور پر ضایع کر دیتے ہیں۔ اس کی مندرجہ ذیل صورتیں ہو سکتی ہیں:

1۔ روزہ رکھنے سے گریز
2۔ نماز پڑھنے سے گریز
3۔ شہوانی امور میں ملوث ہونا
4۔ گناہ کا کلام
5۔ غصے کا غلبہ
6۔ زبان کے چٹخارے
7۔ وقت کاٹنے کی کوشش
8۔ ریاکاری یا دکھاوا
9۔ نیت میں خرابی
10۔ قیام الیل
11۔ دیگر کوتاہیاں

1۔ روزہ رکھنے سے گریز: رمضان شروع ہونے سے قبل کچھ لوگ روزے ترک کرنے کے غیر شرعی بہانے تلاش کرنا شروع کر دیتے ہیں تاکہ خود کو اور لوگوں کو مطمئن کر سکیں۔ حالانکہ شریعت میں روزے سے مستثنیٰ افراد کی تفصیل موجود ہے۔ لیکن پھر بھی لوگ سر درد کے بہانے، خود ساختہ بیماری کے سبب، کام کی زیادتی یا کسی اور بنا پر روزے نہیں رکھتے۔ اس کا بنیادی سبب خدا پر ایمان کی کمزوری اور قول و فعل کا تضاد ہے۔ اس کا علاج یہ ہے کہ قرآنِ کریم کا مطالعہ اور صالح لوگوں کی صحبت سے ایمان کو جلا بخشی جائے اور ہر قسم کی مشکل میں خدا کی رضا ہی کو اہمیت دی جائے۔

2۔ نماز پڑھنے سے گریز: عام طور پر تو روزے دار نماز کا اہتمام کرتے ہی ہیں لیکن ایک بڑی تعداد ایسے لوگوں کی ہے جو روزے کی حالت میں بھی نماز پڑھنے سے گریز کرتے ہیں۔ اس کی بنیادی وجہ سستی و کاہلی ہے اور پھر یہ

حضرات روزے اور نماز کو دو الگ الگ فرائض سمجھتے ہیں حالانکہ جس کی رضا کے لیے وہ خود کو بھوکا پیاسا رکھ رہے ہیں اسی کا حکم ہے کہ نماز پڑھو۔ یہ حضرات روزے کا مطلب بھوک اور پیاس ہی لیتے اور اس کی اسپرٹ کو جاننے سے قاصر رہتے ہیں۔ روزے کا بنیادی مقصد نفس کی تربیت کر کے اسے خدا کی بندگی اور اس کے تمام احکام وہدایات بجالانے والا بنانا ہے۔ چنانچہ عین حالتِ روزہ میں خدا کی بندگی کی عملی تعبیر یعنی نماز سے روگردانی روزے کے بنیادی فلسفے اور مقصد سے روگردانی ہے۔ اس کا علاج یہ ہے کہ اوپر بیان کیے گئے روزے کے فلسفے پر غور کریں۔ اس سلسلے میں تزکیۂ نماز پر لکھے گئے آرٹیکل سے مدد لی جا سکتی ہے۔

3۔ شہوانی امور میں ملوث ہونا: کچھ لوگ روزہ رکھ کر ظاہری جنسی امور سے تو اجتناب کرتے ہیں لیکن دیگر طریقوں سے شہوت کو تسکین پہنچانے کی شعوری و لاشعوری کوشش کرتے رہتے ہیں۔ مثلاً یہ آنکھوں کو قابو میں نہیں رکھتے، کانوں سے فحش گانے سن کر نفس کو تسکین پہنچاتے یا پھر فحش باتوں میں ملوث ہو کر روزے کو ضائع کرتے اور پھر یہ شکایت کرتے نظر آتے ہیں کہ ہمارے شہوانی تقاضے روزے میں بھی قابو میں نہیں آتے۔ بھائی جب ائیر کنڈیشنر چلایا جاتا ہے تو کھڑکیاں دروازے بند کر کے ٹھنڈک کو باہر نکلنے سے روکا جاتا ہے۔ آنکھوں کی کھڑکیاں بھی کھلی ہوں اور کانوں کے دروازے بھی، تو پھر یہ شکایت عبث ہے کہ تقوٰی کی ٹھنڈک دل میں محسوس نہیں ہوتی۔ ہمت سے کام لے کر خود کو ان گناہ کے امور سے دور کر لیں۔ جونہی کسی نامحرم پر شہوت کی نگاہ پڑے تو نفس کو کہہ دیں کہ میں روزے سے ہوں اور خدا کی حمد و ثنا اور استغفار و دعا میں مشغول ہو جائیں۔ نیز دل کے وسوسوں میں بھی کسی جنسی یا شہوانی تصور سے گریز کریں کیونکہ آپ نے جس کے لئے روزہ رکھا ہے وہ دلوں کے بھید بھی جان لیتا ہے۔ یاد رہے کہ نامحرم کو شہوت کی نگاہ سے دیکھنا گناہ ہے لہٰذا دفتر یا تعلیمی اداروں میں جہاں مرد و زن کا اختلاط زیادہ ہوتا ہے، نامحرم کے بارے میں ہر طرح کے جنسی اشتہا کے تصور کو قابو کیا جائے۔

شہوانی امور میں ایک معاملہ میاں بیوی کے تعلقات ہیں۔ ظاہر ہے کہ روزے کی ایک شرط مخصوص جنسی تعلق سے گریز بھی ہے۔ البتہ دیگر معاملات (مثلاً بوس وکنار وغیرہ) کی اجازت تو ہے لیکن چونکہ اس میں اندیشہ ہے کہ روزہ ضایع ہو جائے لہٰذا اجتناب ہی بہتر ہے۔

4۔ گناہ کا کلام: قدیم شریعتوں میں روزے کی حالت میں کلام یعنی بات چیت پر بھی پابندی ہوتی تھی۔ امتِ محمدی میں گو کہ یہ پابندی تو نہیں لیکن بلا ضرورت کلام سے گریز روزے کی روح کے قریب تر ہے۔ بات چیت میں جو گناہ ہم سے سرزد ہوتے ہیں ان میں جھوٹ، غیبت، بہتان، فحش کلام، گالم گلوچ وغیرہ شامل ہیں۔ نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے کہ جو شخص روزہ رکھ کر جھوٹ بولنا اور برا کام کرنا نہیں چھوڑتا، تو اللہ کو اس کی ضرورت نہیں کہ وہ اپنا کھانا پینا چھوڑ دے (بخاری)۔ غور طلب بات یہ ہے کہ روزے کا مقصد اللہ کا خوف اور اس کے احکام و فرامین کے لیے تعمیل کا جذبہ پیدا کرنا ہے محض بھوکا اور پیاسا رہنا نہیں۔ چنانچہ یہ ممکن ہی نہیں کہ ایک طرف تو کھانے کا ایک دانہ بھی منہ میں نہیں جائے اور دوسری طرف غیبت کے ذریعے اپنے ہی بھائی کا گوشت جی بھر کے کھایا جارہا ہو، شہوت سے ظاہری پرہیز کے ساتھ فحش گفتگو سے اس کی کسر پوری کی جارہی ہو، نیت تو صوم (خدا کی نافرمانی سے گریز) کی ہو لیکن گالیوں کے عمل سے اس نیت کو توڑا جارہا ہو، خدا کے حکم پر زبان کو خشک اور حلق کو پیاسا تو کر دیا گیا ہو لیکن جھوٹ بول کر انہیں اخلاقی غلاظتوں سے تر اور سیر اب کیا جارہا ہو۔

وہ بات چیت جو عام زندگی میں حرام ہے وہ روزے کی حالت میں اور زیادہ حرام ہو جاتی ہے جیسے ایک فوجی کا کسی حکم کی تعمیل سے انکار کرنا تو ویسے ہی قابلِ گرفت ہے لیکن جنگ کی حالت میں کی گئی نافرمانی زیادہ قابلِ سرزنش ہوتی ہے۔ ممنوع کلام پر قابو پانے کے لیے چند ہدایات پر غور کریں۔ ایک تو یہ کہ بلا ضرورت بولنے سے گریز کریں اور خاموشی کو روزے کا ادب اور عبادت سمجھتے ہوئے گفتگو میں احتیاط کریں۔ بولنے سے پہلے توقف کریں اور ایک لمحے کے لیے سوچیں کہ آپ کیا کہنے والے ہیں؟ اگر وہ کسی کی برائی، کسی کا مذاق، کوئی جھوٹا کلام وغیرہ

ہے تو رک جایئے اور اُس رب کا تصور کریں جس کے کہنے پر آپ نے بھوک کا درد اور پیاس کے کانٹے برداشت کیے ہیں اور یہ سوچیں کہ اس موقع پر زبان کی تالہ بندی اسی رب کا حکم ہے۔

دوسری ہدایت یہ کہ روزے کی حالت میں گناہ کے کلام کو اسی طرح حرام سمجھیے جس طرح کھانا اور پینا۔ کھانا پینا روزے کے ظاہر کو برباد کرتا ہے جبکہ فحش کلام اور غیبت وغیرہ روزے کے باطن کو تہس نہس کر ڈالتے ہیں۔ نوعیت کے اعتبار سے دونوں میں کوئی فرق نہیں کیونکہ دونوں خدا کی معصیت (گناہ) ہیں۔ اس ضمن میں تیسری ہدایت یہ ہے کہ زبان کو خدا کی یاد سے تر رکھیں۔ یہی وہ موقع ہے کہ اللہ کو تمام عیوب سے پاک سمجھ کر اس کی تسبیح کی جائے، اس کی کاریگریوں کو دیکھ کر حمد و ثنا کے گن گائے جائیں، اس کی وفاداری کے ترانے پڑھے جائیں، اس کی رحمت کی چھاؤں اور مغفرت مانگی جائے۔ یہ ذکر بھی بدکلامی سے محفوظ رکھنے میں معاون ثابت ہو سکتا ہے۔

آخری بات یہ کہ وہ مقام جہاں گناہ کی باتیں ہو رہی ہوں تبدیل کر لیا جائے کیونکہ بعض اوقات ماحول اور ساتھیوں کے اُکسانے سے بھی بدکلامی سرزد ہو جاتی ہے۔

5۔ غصے کا غلبہ: روزے کی حالت میں اعصاب کی کمزوری اور بھوک پیاس کی شدت کی بنا پر چڑچڑاہٹ اور غصہ طبیعت پر غالب آجاتا ہے جس کی وجہ سے لوگ اپنے بچوں، بیوی اور ماتحتوں پر سختی کرتے اور ان پر چیخ پکار کے ذریعے اپنی جھنجلاہٹ کا اظہار کرتے ہیں۔ کبھی کبھی یہ غیض و غضب متعلقین اور ساتھیوں پر بھی برسنے لگتا ہے۔ چونکہ فریقِ ثانی بھی کچھ ایسی ہی کیفیات کا شکار ہوتا ہے لہٰذا بسوں میں مسافروں کے درمیان تو تو میں میں شروع ہو جاتی، سڑکوں پر ٹریفک جام ہو جاتا اور لوگوں میں گالم گلوچ اور بعض اوقات ہاتھا پائی کی نوبت بھی آجاتی ہے۔

اس کا بنیادی سبب بھوک پیاس اور اعصابی کمزوری کے علاوہ غصہ کو درست سمجھنا ہے کہ میں تو روزے سے ہوں اور میرا حق ہے کہ میں یہ سب کچھ کروں۔ اس کا علاج یہی ہے کہ روزے کے فلسفے کو یاد رکھا جائے کہ اس کا

مقصد صبر کی تربیت دینا ہے۔ چنانچہ کسی بھی قسم کی اشتعال انگیزی اس تربیت میں ناکامی کی علامت ہے۔ اس کا علاج حدیث میں یہ بتایا گیا ہے کہ روزے کو ایک ڈھال کی طرح استعمال کیا جائے۔ لٰہذا جس کا روزہ ہو وہ نہ تو بے حیائی کی باتیں کرے اور نہ ہی جہالت دکھائے۔ پھر بھی اگر کوئی گالی دے تو وہ کہہ دے کہ میرے بھائی میں روزے سے ہوں (بخاری و مسلم)۔ مزید یہ کہ غصے کی حالت میں مقام کی تبدیلی بھی کارگر ثابت ہو سکتی ہے۔

6۔زبان کے چٹخارے: صبح سے شام تک بھوکا رہنے کی وجہ سے کھانے پینے کی چیزوں کی جانب رغبت بڑھ جاتی ہے۔ اس اشتہا کو مٹانے کے لیے نت نئے کھانوں کا اہتمام، انواع و اقسام کے پکوان اور لاتعداد مشروبات کی تیاری میں وقت صرف کیا جاتا اور ان کا تصور کر کر کے روزے کا وقت کاٹا جاتا ہے۔ اس طرح رمضان میں بسیار خوری کے نتیجے میں رمضان میں اکثر لوگوں کا وزن کم ہونے کی بجائے بڑھ جاتا ہے۔ وہ وقت جو جنت کی نعمتوں کی یاد میں گذرنا چاہئے تھا وہ دنیوی دستر خوانوں کی نظر ہو جاتا ہے۔ چنانچہ وہ تقوٰی اور صبر جو اس بھوک اور پیاس سے پیدا ہونا چاہئے تھا وہ نہیں ہوتا اور نتیجے کے طور پر سطحی قسم کی لذتیں تو مل جاتی ہیں لیکن روزے کے ثمرات وفیوضات ہاتھ سے نکل جاتے ہیں۔ اس کا علاج یہ ہے کہ کھانا پینا ضرورت کے تحت ہو، مقصد نہ بن جائے۔ اس سلسلے میں بہت زیادہ اہتمام میں وقت ضایع کرنا، اور لذتوں کی یاد میں گرفتار رہنا بالکل بھی مناسب نہیں۔ نیز اگر اس صورتِ حال میں آپ اپنے کھانے سے زیادہ مستحقین اور دیگر افراد کو کھلانے کی فکر کریں تو چٹخاروں کی غیر ضروری رغبت سے نجات مل سکتی ہے۔

7۔وقت کاٹنے کی کوشش: چونکہ رمضان میں دفتر اور تعلیمی اداروں کی چھٹی جلد ہو جاتی ہے اس لیے لوگوں کو کافی فارغ وقت دستیاب ہو جاتا ہے۔ لوگ اس وقت کو عبادات، اذکار اور خدا کی یاد میں لگانے کے بجائے ناول پڑھنے، بلا مقصد انٹرنیٹ پر سرفنگ یا چیٹنگ کرنے، تاش اور دیگر گیمز کھیلنے یا ڈرامے اور فلمیں دیکھنے میں گزار دیتے ہیں۔ اس عمل کے دوران بعض اوقات حدود سے تجاوز ہو جاتا اور روزے کی صحت پر اثر پڑ جاتا ہے۔ اس کا علاج یہ ہے کہ رمضان میں کچھ اہداف مقرر کر لیں۔ مثلاً پورے مہینے میں ایک قرآن ترجمے

اور تفسیر سے پڑھنا ہے یا حدیث، سیرت اور اسلامی موضوع پر کوئی کتاب ختم کرنی ہے۔ اور پھر اوقات مقرر کرکے اس پر سختی سے کاربند ہو جائیں۔ اسی طرح فراغت کے اوقات میں قرآن یا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی روزمرہ کی دعاؤں کو یاد کرنے کی کوشش کریں۔ اسی طرح خدا کی صناعی، اس کی قدرت، اس کی رحمت اور کائنات کے تنوع پر غور کرکے خدا کی معرفت بڑھانے کی کوشش کریں۔

8۔ریاکاری یا دکھاوا: روزے کی آفتوں میں سب سے بڑی آفت یہ ہے کہ روزہ گھر والوں یا دفتر کے ساتھیوں کو دکھانے کے لیے رکھا جائے۔ اصل میں دکھاوے کے علاوہ ایک اور عنصر خوف کا ہے کہ لوگ کیا کہیں گے۔ اس قسم کے لوگوں کی اکثریت البتہ چوری چھپے کھانے پینے سے گریز کرتی ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ ان میں کچھ نہ کچھ خوفِ خدا ہوتا ہے لیکن اصل محرک لوگوں کی ملامت سے بچنا ہوتا ہے۔ اس کا علاج یہ ہے کہ خدا کے حوالے سے یہ حقیقت ذہن میں تازہ کی جائے کہ اس کی ملامت لوگوں کی ملامت سے زیادہ نقصان دہ ہے۔ پھر جب مشقت ہی اٹھانی ہے تو نیت میں ذرا سی تبدیلی کرلی جائے کہ میں یہ بھوک اور پیاس اللہ کے حکم کی تعمیل اور اس کی رضا پانے کے لیے برداشت کر رہا ہوں۔

ریاکاری کی ایک صورت یہ ہے کہ لوگ اپنے روزوں کا مختلف بہانوں سے ذکر کرتے ہیں کہ میرے تو پورے روزے جا رہے ہیں یا آج کا روزہ تو بہت سخت ہے وغیرہ۔ اس قسم کی گفتگو کا محرک اگر دکھاوا ہے تو یہ روزے کے اجر کو کم یا ختم کر سکتی ہے۔ چنانچہ دل و دماغ میں روزے کی غایت خدا کی رضا ہی بٹھائی جائے اور لوگوں کی تحسین وصول کرنے کے بجائے زمین و آسمان کے اُس بادشاہ کی تحسین و داد وصول کرنے کی کوشش کی جائے جس کے ہاتھ میں تمام خزانے ہیں۔ اس کے علاوہ رمضان کے علاوہ نفلی روزے بھی رکھ کر انہیں لوگوں سے حتی الامکان چھپایا جائے تاکہ ریاکاری پر قابو پایا جاسکے۔

9۔نیت میں خرابی: کچھ لوگ رمضان کے روزے اس نیت سے رکھتے ہیں کہ وزن کم ہو جائے یا تیزابیت کم ہو یا دیگر بیماریوں کا علاج ہو جائے۔ یاد رکھیں کہ آپ جس لیے روزہ رکھیں گے تو وہی آپ کا نصیب ہے۔ لہٰذا فیصلہ

آپ کے ہاتھ میں ہے کہ آپ وزن کم کرنے کو مقصود بناتے ہیں یا خدا کی بندگی کو۔

10۔ قیام الیل: رمضان عبادت کا مہینہ ہے۔ یہ خدا کی طرف سے ڈسکاؤنٹ پر سیل (Sale) کا اعلان ہے جس میں جنت کی وسیع و عریض زمینیں، اس کے گھنے باغات، اس کی ابلتی ہوئی نہریں، اس کے عالیشان تخت، اس کے خوابناک بیڈ رومز، اس کی معطر فضائیں اور نہ جانے کیا کیا کچھ انتہائی کم قیمت پر اس ماہ میں دستیاب ہوتا ہے۔ ہو سکتا ہے کہ چند رت جگے ان نعمتوں کو آپ سے قریب کر دیں۔ اگر ہر رات جاگنا ممکن نہ ہو تو کم از کم ایک دن چھوڑ کر، یا پھر ویک اینڈ پر۔ اور آخری عشرہ تو بس لوٹ لینے کا عشرہ ہے گویا کہ دینے والے نے تہیہ کر لیا ہے کہ وہ سب کچھ ہی دے دے گا بس شرط یہ ہے کہ کوئی مانگنے والا تو ہو۔

رات جاگنے سے متعلق کئی غلط فہمیوں کو دور کرنا ضروری ہے۔ ایک تو یہ کہ تراویح کی نماز فرض نہیں بلکہ یہ تہجد ہی کی نماز ہے اور تمام مسالک کا اس پر اتفاق ہے بجز حنفی مسلک کے جو اس نماز کو سنت مؤکدہ سمجھتا ہے اور اس کے تارک کو گناہِ صغیرہ کا مرتکب قرار دیتا ہے۔ دوسرا یہ کہ حنفی مسلک کے تحت بھی اس نماز میں پورا قرآن سننا ضروری نہیں۔ مولانا اشرف علی تھانوی نے اپنے آخری دنوں میں کسی اور امام سے اپنی مسجد میں نماز پڑھوائی تو ہدایت کی کہ پورے مہینے سورۂ الم ترکیف سے ہی تراویح پڑھائی جائے (مآثر حکیم الامت: صفحہ ۵۹)۔ اس تمہید کی ضرورت اس لیے پیش آئی کہ کچھ لوگ تراویح کو روزے کا لازمی جزو اور اس کے ترک کو روزے کے فاسد ہونے کا ذریعہ سمجھتے ہیں جبکہ حقیقت اس کے برخلاف ہے۔

دوبارہ اصل موضوع کی طرف آتے ہیں کہ رات کس طرح جاگی جائے۔ اکثر لوگوں کو قرآن کی چھوٹی سورتیں یاد ہوتی ہیں لہٰذا وہ تہجد کی نماز چند منٹ میں پڑھ کر ہاتھ جھاڑ کے کھڑے ہو جاتے ہیں۔ اس ضمن میں یہ بات سمجھ لینی چاہیے کہ کچھ علما نماز کی حالت میں قرآن میں سے دیکھ کر پڑھنے کو جائز سمجھتے ہیں۔ چنانچہ اس ذریعے سے مدد لی جا سکتی ہے۔ اسی طرح تہجد کی نماز ایک نفلی نماز ہے اور اس میں رکعتوں کی تعداد گیارہ سے لے کر 40 تک ہے۔

رات جاگنے میں محض نماز پڑھنا ہی شامل نہیں۔ قرآن کو سمجھ کر پڑھنا بھی اس کا حصہ ہے۔ اسی طرح خدا سے باتیں کرنا، اس سے اپنے دل کا حال کہنا، کبھی مکان، جائداد، صحت اور اولاد کی مادی سطح سے بلند ہو کر اس سے دعائیں کرنا، اس کی پاکی بیان کرنا، اس کی حمد کرنا وغیرہ بھی اس کا حصہ ہے۔ اس سلسلے میں دعاؤں کی کتاب حصنِ حصین کو سامنے رکھ کر نبی کریم ﷺ کے الفاظ سے بھی مناجات کی جاسکتی ہے۔

11۔ دیگر ہدایات:

ا۔ روزہ میں دیگر کوتاہیوں میں بے شمار چیزیں آسکتی ہیں جن کا احاطہ ممکن نہیں۔ البتہ اتنا یاد رکھیں کہ ہر گناہ خدا سے دور کرتا اور ہر اچھا عمل خدا کے قریب کرتا ہے۔ وہ بھوک و پیاس کسی کام کی نہیں جس کے ساتھ گناہوں کا سلسلہ بھی چلتا رہے اور خدا سے دوری کا سبب بن جائے۔

ب۔ اپنا احتساب کریں، اپنی کمزوریوں کو جانیں اور انہیں دور کرنے کی کوشش کریں۔ اس ضمن میں تزکیۂ نفس کے سلسلے میں تیار کردہ سوال نامے "اپنا احتساب کیجئے" سے بھی مدد لی جاسکتی ہے۔

ج۔ یہ دیکھیں کہ پچھلے رمضان سے اس رمضان تک کیا کوتاہیاں اور نافرمانیاں سرزد ہوئیں۔ ان پر اللہ سے معافی مانگیں اور آئندہ ان سے بچنے کا عہد کریں۔

د۔ حقوق العباد کا خاص خیال رکھیں خاص طور پر دل کھول کر اللہ کی راہ میں خرچ کریں کیونکہ جو خرچ ہو گیا وہ بچ گیا اور جو بچ گیا وہ رہ گیا۔

پروفیسر ڈاکٹر محمد عقیل

رمضان ورک بک

رمضان تزکیہ و تربیت کا مہینہ ہے۔ اس مہینے میں اللہ تعالیٰ کا خاص فضل و کرم نازل ہوتا ہے۔ زیر نظر ورک بک اسی فضل و کرم سے فائدہ اٹھاتے ہوئے ایک مسلمان کو اپنی تربیت کرنے کا موقع فراہم کرتی ہے تاکہ وہ نہ صرف رمضان بلکہ دیگر گیارہ ماہ میں بھی شیطان اور نفس کے چنگل میں گرفتار نہ ہو جائے۔

پہلا حصہ: روزانہ کے سوالات

سونے سے قبل دس منٹ روزانہ اس سوالنامے کو غور سے پڑھیں اور اس کے موزوں کالم میں ٹک لگا کر جواب دیں۔

الف۔ لازمی سوالات۔ یہ حصہ دین کی ان تعلیمات پر مبنی ہے جو براہ راست یا بالواسطہ لازمی ہیں اور ان احکامات پر عمل کرنا یا ان منکرات سے بچنا لازم ہے۔ اگر ان میں سے کوئی گناہ کا فعل آپ سے سرزد ہو جائے تو اللہ سے توبہ کریں اور آئندہ نہ کرنے کا عزم کریں۔

نمبر	سوال	ہاں	نہیں	ناقابل اطلاق
1	میں نے آج پانچ وقت کی نمازیں وقت پر ادا کی ہیں۔			
2	میں نے اپنے ہاتھ، آنکھ، اور دیگر اعضاء کو ناجائز شہوت سے بچایا اور ان کے ذریعے ناجائز جنسی لذت حاصل کرنے کی کوشش نہیں کی			
3	میں نے اپنے والدین کے ساتھ اچھا سلوک کیا اور انکی خدمت کی			
4	میں نے کسی سے بدکلامی، ہاتھاپائی یا لڑائی جھگڑا نہیں کیا			
5	میں نے آج کسی سے نفرت، کینہ اور بغض نہیں رکھا ہے			

			میرے ذمے آج جتنے وعدے تھے وہ سب پورے کئے ہیں۔	6
			میں نے آج بجلی یا کسی چیز کی چوری نہیں کی ہے۔	7
			میں نے کوئی لغویات، فحش لطیفہ بیان نہیں کیا ہے۔	8
			میں نے کوئی اہم خبر یا اسلامی معلومات ای میل، بات چیت، ایس ایم ایس یا کسی اور ذریعہ سے تصدیق اور تحقیق کئے بغیر آگے نہیں پہنچائی ہے۔	9
			میں نے لوگوں کے عیوب اور معاملات کا بلا جواز کھوج نہیں لگایا ہے	10
			میں نے کسی سے متعلق بد گمانی نہیں کی ہے۔	11
			میں نے آج غیبت نہیں کی ہے۔	12
			میں نے آج کسی پر طنز و تشنیع نہیں کی اور نہ ہی کسی کا مذاق اڑایا۔	13
			میں نے آج کسی سے حسد نہیں کیا۔	14
			میری بات چیت، لباس، چال ڈھال اور عادت واطوار سے تکبر کا اظہار نہیں ہوا ہے۔	15
			میں نے ملازمت کے دوران اپنا کام ایمانداری سے کیا ہے۔	16
			آج غصہ آنے کی صورت میں زبان اور رویئے کو قابو میں رکھا ہے۔	17
			میں نے کسی پر تہمت، بہتان یا جھوٹا الزام نہیں لگایا ہے۔	18
			کسی کے طلب کرنے پر عام استعمال کی شے استعمال کے لیے دے دی۔	19
			میں نے آج جھوٹ نہیں بولا۔	20

21	میں نے کوئی اللہ کی رضا کا کام بلاجواز لوگوں کے دکھانے کے لئے نہیں کیا۔			
22	میں نے آج جوا یا سٹہ نہیں کھیلا۔			
23	میں نے رشوت، فراڈ یا دیگر ناجائز طریقوں سے مال کمانے کی کوشش نہیں کی۔			
24	میں نے ایک دوکاندار کی حیثیت سے ناپ تول میں کمی، ملاوٹ، ذخیرہ اندوزی یا حرام اشیاء کی تجارت نہیں کی۔			
25	میں نے آج کسی کا ناحق دل نہیں دکھایا۔			
26	ان سوالات کے علاوہ میں نے کوئی دیگر گناہ کا کام نہیں کیا۔			

ب۔ اختیاری سوالات۔ یہ حصہ دین کی ان تعلیمات پر مبنی ہے جو اختیاری ہیں۔ لیکن ان پر عمل کرنا ایک بڑی سعادت کی بات ہے اور یہ اللہ سے قربت کا ایک بڑا ذریعہ ہیں۔

نمبر	سوال	ہاں	نہیں	ناقابل اطلاق
1	میں نے آج قرآن کا کچھ حصہ پڑھا (قرآن کا ترجمے سے سمجھ کر پڑھنا ہی افضل ہے)۔			
2	میں نے آج تراویح یا تہجد کی نماز پڑھی۔ (حنفی مسلک میں تراویح کا پڑھنا لازمی عبادت اور سنت موکدہ ہے)			
3	میں نے آج اللہ کی راہ میں مال خرچ کیا (جیسے صدقہ دینا، روزہ کھلوانا)			
4	میں نے آج کسی اسلامی کتاب کا مطالعہ کیا یا اسلامی پروگرام دیکھا۔			

5	میں نے آج قرآن کی کوئی نئی سورت یا آیت یاد کی۔			
6	میں نے تمام نمازیں باجماعت مسجد میں ادا کیں۔			

دوسرا حصہ: ہفتہ وار سوالات

رمضان میں ہر ساتویں دن ان سوالات کے جواب بیان کریں

نمبر	سوال	ہاں	نہیں	ناقابل اطلاق
1	میں نے جمعے کی نماز مسجد میں ادا کی			
2	میں نے گذشتہ ہفتے اپنی غلطیوں کی نشان دہی کی اور اللہ سے ان پر توبہ کی			
3	میں نے اپنی غلطیوں کو سدھارنے کی کوشش کی			
4	میں نے اپنے بہن بھائی اور دیگر عزیز و اقارب کی خیریت معلوم کی بالخصوص کمزور رشتے داروں کی۔			
5	اپنی مصروفیت کے باوجود میں بحیثیت ماں یا باپ اپنی اولاد کی تربیت کے لیے وقت نکالتا اور اسلامی اصولوں پر تربیت کرتا ہوں۔			

تیسرا حصہ: پندرہ دن بعد کے سوالات

رمضان کے پندرھویں دن ان سوالات کے جواب بیان کریں

نمبر	سوال	ہاں	نہیں	ناقابل اطلاق
1	میں نے کم از کم آدھا قرآن پڑھ لیا ہے (قرآن سمجھ کر پڑھنا ہی افضل ہے)			

2	میں نے اپنے گناہوں پر پچاس فیصد قابو پالیا ہے۔			
3	میں نے قرآن کا کچھ نیا حصہ ترجمے کے ساتھ یاد کیا ہے۔			
4	میں نے اپنے لئے جو ٹارگٹ مقرر کئے تھے وہ حاصل ہو رہے ہیں۔			

چوتھا حصہ: آخری رمضان یا انتیسویں شب کے سوالات

رمضان کے آخر میں یا آخری طاق شب کو ان سوالات کے جواب بیان کریں۔

نمبر	سوال	ہاں	نہیں	ناقابل اطلاق
1	میں نے تمام گناہوں سے آگاہی حاصل کر کے ان سے توبہ کر لی ہے			
2	میں نے قرآن کم از کم ایک مرتبہ ختم کر لیا ہے (قرآن سمجھ کر پڑھنا ہی افضل ہے)			
3	میں نے پانچوں طاق راتوں میں جاگ کر اللہ کی عبادت کی ہے۔			
4	میں اپنے نفس کی خواہشات پر قابو پانے میں کامیاب ہو گیا ہوں			
5	میں عہد کرتا ہوں کہ رمضان کے بعد بھی گناہوں سے بچوں گا اور احکامات پر عمل کروں گا			

پانچواں حصہ: اسائنمنٹ و ہدایات

الف۔ عام روزے داروں کے لئے

ا۔ رمضان میں کم از کم پانچ اضافی ٹارگٹ طے کریں اور ان کے حصول کا طریقہ کار لکھیں۔ ۲۔ ان گناہوں کی

فہرست لکھیں جو آپ عام دنوں میں کرتے ہیں لیکن روزے کی حالت میں نہیں کرتے۔ ۳۔ ان گناہوں / نافرمانیوں کے نام لکھیں جو آپ روزے کی حالت میں بھی کرتے ہیں کر رہے ہیں۔ ۴۔ آپ کو جتنی بھی سورتیں یاد ہیں ان سب کا اردو ترجمہ یاد کریں اور کسی کو سنائیں یا لکھ کر ٹیسٹ کریں۔

ب۔ رات جاگنے والوں کے لئے

۱۔ کوشش کریں کہ رات تنہائی میں گذاریں۔ نفل نماز سکون سے پڑھیں اور جتنی لمبی سورتیں یاد ہوں وہ قیام کی حالت میں پڑھیں۔

۲۔ کچھ علماء کے نزدیک نماز کی حالت میں قرآن ہاتھ میں لے کر پڑھنا درست ہے، چنانچہ اس سے استفادہ کیا جاسکتا ہے۔

۳۔ سجدے میں طویل دعائیں مانگیں۔ کچھ علماء کے نزدیک اپنی مادری زبان میں بھی سجدے میں دعائیں مانگی جاسکتی ہیں۔

۴۔ نماز کے علاوہ بھی دعا کریں۔ دعا کا مطلب صرف رزق کی کشادگی، دنیاوی ترقی اور مادی وسائل کا حصول ہی نہیں بلکہ اس کا مطلب اللہ کو دل سے پکارنا ہے۔ چنانچہ اللہ یعنی رب سے باتیں کریں، اسکی حمد و ثنا کریں، اسے زندہ سمجھتے ہوئے کلام کریں، اسے اپنے سامنے محسوس کریں اور خود کو ایک حقیر غلام سمجھتے ہوئے اس کے سامنے اپنا وجود ڈال کر بھیک مانگیں۔ آج کی رات کوئی بھکاری خالی ہاتھ نہیں جائے گا۔

۵۔ گناہوں کو یاد کریں، ان پر رو کر معافی طلب کریں۔ آئندہ نہ کرنے کا عہد کریں۔

۶۔ اس کے علاوہ قرآن کی تلاوت ترجمے اور تفسیر کے ساتھ کریں۔

۷۔ مسنون تسبیحات کو گن کر یا بغیر گنے پڑھیں اور اس دوران اللہ کی صفات کا تصور کرتے رہیں۔

۸۔ جنت، دوزخ، اللہ کی بادشاہی، رحم، جلال اور دیگر خوف و طمع کی چیزوں کا تصور کریں تاکہ خشیت پیدا ہو۔

۹۔کائنات کی تخلیق پر غور کریں اور اللہ کی خلاقی، قدرت اور حکمت کو تصور میں سوچیں۔

ج۔اعتکاف کرنے والوں کے لئے

ا۔اوپر بیان کی ہوئی ہدایات کے علاوہ ان اضافی گذارشات پر بھی عمل کریں۔

۲۔ قرآن کا ترجمہ، تفسیر، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت پر کوئی کتاب اور تسبیحات کی کتاب جیسے حصن حصین وغیرہ ضرور ساتھ لے کر جائیں۔

۳۔روزانہ نوافل کا اہتمام کریں اور لوگوں سے غیر ضروری بات چیت سے پرہیز کریں۔ ۴۔ماضی میں کیا کھویا اور کیا پایا، اس کا ایک جائزہ لیں اور خاص طور پر اس جائزے کو لکھ کر کریں تو بہتر ہے۔

۵۔ماضی کی کوتاہیوں کی فہرست بنائیں اور ان کا تجزیہ کریں۔

۶۔ مستقبل کا لائحہ عمل طے کریں کہ کس طرح اللہ کے احکامات پر عمل کرنا اور گناہوں سے نجات پانی ہے۔

۷۔ مسجد میں علما اور اہل علم کی صحبت سے فائدہ اٹھائیں۔

۸۔ کم از کم ایک مرتبہ قرآن ترجمہ و تفسیر کے ساتھ ضرور ختم کریں۔

۹۔رات جاگنے یا عبادت کی کثرت کی بنا پر نفس پر غیر ضروری جبر نہ کریں کہیں طبیعت خراب ہو جائے اور فرائض کی ہمت بھی نہ رہے۔